نعت رنگ
نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم

دھنک

مقالات و مضامین

نوادر

فکر و فن

مطالعاتِ نعت

مدحت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

''نعت رنگ'' ۱۴ پیشِ خدمت ہے۔ کچھ دوستوں کا خیال ہے کہ ''نعت رنگ'' کی بہ یک وقت دو اشاعتیں سنجیدہ قارئین اور خریداروں کو دشواری میں مبتلا کر دیتی ہیں کہ ایک تو اتنا سارا مواد ایک ساتھ پڑھنے کو مل جاتا ہے جس کا فوری پڑھنا دشوار ہوتا ہے اور پھر ایک ساتھ دو شماروں کی خریداری کا اضافی بوجھ بھی۔

مجھے اپنے دوستوں کے اس گلے سے خوشی ہوئی کہ ''نعت رنگ'' کے قارئین کا ایک بڑا حلقہ ''نعت رنگ'' کے مواد کو نہ صرف نہایت توجہ سے پڑھتا ہے اور اس پر غور کرتا ہے بلکہ اس پر اظہارِ خیال کرنے کے لیے ''نعت رنگ'' کی اشاعتوں میں ایک مناسب فاصلہ بھی چاہتا ہے۔

ایسے دوستوں کی رائے سر آنکھوں پر تاہم گزارش یہ ہے کہ ''نعت رنگ'' ایک کتابی سلسلہ ہے جس کی اشاعت کا کوئی دورانیہ مقرر نہیں ہے۔ ہم صرف بہتر مواد کی تلاش میں رہتے ہیں کہ آپ کے سامنے ہر شمارہ میں نعت کے ادبی پہلوؤں پر نئے رجحانات اور افکارِ تازہ پیش کرسکیں۔

الحمدللہ کہ اب ''نعت رنگ'' کے لکھنے والوں کا حلقہ اتنا وسیع ہو چکا ہے کہ ہمیں اچھے مواد کی تلاش میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دستیاب مواد کو فوراً قارئینِ ''نعت رنگ'' تک پہنچانا اپنا فرض سمجھتے ہیں پھر کچھ مسائل فوری توجہ چاہتے ہیں جن پر مشتمل مواد کو روکنا بھی انھیں ضائع کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ ادھر کچھ عرصے سے میری ذاتی

D:NaatRang 4I
File :Ibtiaiya
1st Proof

مصروفیات بھی کافی بڑھ گئی ہیں اکثر ملکی اور بیرونِ ملک اسفار درپیش رہتے ہیں جن کے نتیجے میں ''نعت رنگ'' تاخیر کا شکار ہوتا ہے اور قارئینِ ''نعت رنگ'' کوفت کا۔ اس لیے ہماری درخواست ہے کہ ان دو اشاعتوں کو اس تاخیر کی تلافی تصور فرمائیں۔

نئے دُکھ

گزشتہ دنوں نعت کاروں کو جس صدموں سے دوچار ہونا پڑا ان میں نہایت اہم اور معتبر نعت گو نعیم صدیقی کی وفات، ممتاز محقق و شاعر اور ماہنامہ ''نعت'' لاہور کے ایڈیٹر راجا رشید محمود کی اہلیہ کا انتقال اور عصرِ حاضر کے نمائندہ نعت گو شاعر حفیظ تائب کے والدِ ماجد کا انتقال شامل ہیں۔ دعا ہے اللہ ربّ العزت مرحومین کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین

صبیح رحمانی

عصرِ حاضر کے نامور نعت گو

عبدالعزیز خالد

کے نام

حفیظ تائب (لاہور)

حمدِ باری تعالیٰ

دیں سکوں تیرے نام یاعزیزُ یاسلام
دل کشا ترا کلام یاعزیزُ یاسلام

اپنے قربِ خاص کا راستہ بتا دیا
دے کے سجدے کا پیام یاعزیزُ یاسلام

یالطف یاخبیر سو بہ سو ہیں تیرے رنگ
تیرے عکس صبح و شام یاعزیزُ یاسلام

شب کے بعد دن چڑھے، دن کے بعد رات ہو
خوب ہے ترا نظام یاعزیزُ یاسلام

کائنات کو محیط تیری جلوہ ریزیاں
تیری رحمتیں ہیں عام یاعزیزُ یاسلام

اِس کرم کا کر سکوں شکر کس طرح ادا
دل میں ہے ترا قیام یاعزیزُ یاسلام

D:Sabhi\NaatRang-14
File: Hamd-1.inp
Final

امین راحت چغتائی (راولپنڈی)

حمدِ باری تعالیٰ

مرے افکار کا محور ہے پھر بھی گردشِ دوراں
اگرچہ جستجو تیری نہیں ہے اِس قدر آساں

اِسی میں کتنے پوشیدہ ہیں غور و فکر کے امکاں
ترے رنگوں کی آمیزش کو دیکھے دیدۂ حیراں

ترے بخشے ہوئے ادراک سے پلٹوں ثوابت کو
کہ پیدا ہو رہے ہیں زندگانی کے نئے امکاں

یہی تو سرحدِ امکاں سے آگے لے کے جاتے ہیں
یہی جو تو نے دل میں بھر دیے ہیں کیا سے کیا ارماں

ابھی کھلنے کو ہیں کیا جانیں کتنے بھید ہستی کے
ابھی تو عہدِ حاضر پر ہوا ہے منکشف قرآں

قفس والوں کو بھی یارب عطا ہو شرفِ انسانی
کہ بے توقیر و بے ایقاں ہوئی ہے قوتِ ایماں

یہ سب تیرے کرم کے معجزے ہیں اور کیا کہیے
کہ ذرّہ خاک کا اور اُس میں پنہاں عالمِ امکاں

ہم اُس کے ہیں کہ جس کی رحمتیں ہیں سارے عالم پر
کوئی پرکھے گا کیا راحتؔ ہمارا جذبۂ ایماں

ڈاکٹر سیّد وحید اشرف کچھوچھوی۔ بھارت

اردو زبان میں نعت گوئی کا فن

رحمۃ للعالمین، خاتم النّبیین، سرورِ کائنات، خلاصۂ موجودات، سیّد الانبیا، حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی مدح و ستائش کا نام نعت ہے۔ نعت نثر میں بھی ہوسکتی ہے اور نظم میں بھی۔ لیکن بطورِ اصطلاح شعر ہی کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ اور ایسی شاعری کو جس میں رسولِ مقبول ﷺ کی مدح کی گئی ہو نعتیہ شاعری کہتے ہی۔ خود حضور ﷺ نے اچھے اشعار اور نعتیہ اشعار کو پسند فرمایا ہے۔ کیوں کہ مصنوع کی تعریف اصل میں صانع کی تعریف ہے اور اس لحاظ سے آپ ﷺ سب سے زیادہ تعریف کے مستحق ہیں۔

خود خالقِ کائنات کو حضور ﷺ کی تعریف پسند ہے۔ اس لیے خود اللہ تعالٰی نے حضور ﷺ کی تعریف قرآن میں کی ہے۔ کہیں براہِ راست اور اکثر آیات سے آپ ﷺ کی تعریف کا پہلو نکلتا ہے۔ لیکن آیات سے مفہوم کا استنباط کرنا علمائے دین کا کام ہے اور وہ تعریفیں جو براہِ راست کی گئی ہیں وہ واضح ہیں، ان پر ایمان لانا فرض ہے اور ان کا بیان کرنا باعثِ رحمت ہے۔

شیخ عبدالحق محدث رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''اخبارالاخیار'' کے آخر میں اس طرح رقم طراز ہیں:

> اے اللہ! میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جسے تیرے دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں، میرے تمام اعمال میں فسادِ نیت موجود رہتی ہے۔ البتہ مجھ حقیر فقیر کا ایک عمل صرف تیری ذاتِ پاک کی عنایت کی وجہ سے بہت شان دار ہے اور وہ یہ ہے کہ مجلسِ میلاد کے موقع پر

D:NaatRang-14
File :Makala-4
Final

میں کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں اور نہایت عاجزی و انکساری، محبت و خلوص کے ساتھ تیرے حبیبِ پاک ﷺ پر درود و سلام بھیجتا رہتا ہوں۔

اے اللہ! وہ کون سا مقام ہے جہاں میلادِ پاک سے زیادہ تیری خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے؟ اس لیے اے ارحم الراحمین مجھے پکا یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی بے کار نہ جائے گا بلکہ یقیناً تیری بارگاہ میں قبول ہوگا۔ اور جو کوئی درود و سلام اور اس کے ذریعے دعا کرے گا وہ کبھی مسترد نہیں ہوسکتی۔

(ناشر: ادبی دنیا، مٹیا محل دہلی)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی نعت بیان کر کے نعت کا انداز بتا دیا۔ ہر نعت گو ان اوصاف کا اعادہ کرتا ہے اور کرنا چاہیے، جن کا ذکر خود خدا نے قرآن میں کر دیا ہے یا جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے متعلق فرمایا جو حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان اپنی طرف سے نہ تھا بلکہ آپ ﷺ وہی کہتے تھے جو اللہ تعالیٰ وحی کرتا تھا یا آپ ﷺ کے قلب پر الہام کرتا تھا۔ کیوں کہ قرآن مجید میں آپ ﷺ کے متعلق ارشاد ہے کہ "**وما ینطق عن الھوی**"

وہ نعتیہ شاعری جو قرآنی اوصاف پر مبنی ہے اس کا تعلق بالعموم بیانیہ شاعری سے ہے، لیکن ظاہر ہے کوئی بھی نعت گو ان سے صرفِ نظر نہیں کرسکتا اور نہ کرنا چاہیے۔

نعتیہ شاعری کا دوسرا پہلو وہ ہے جس کا تعلق شاعر کے اپنے جذبات سے ہے۔ یہی مشکل مرحلہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ہر قدم پر ادب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ بارگاہِ نبوت میں ذرا بھی بے ادبی آدمی کے سارے اعمال کو بے کار کرسکتی ہے۔

نفس گم گشتہ می آید جنید و بایزید ایں جا۔

اس لیے ہم یہ تصور نہیں کرسکتے کہ کوئی مسلمان دانستہ بارگاہِ نبوت میں کسی بھی بے ادبی کا مرتکب ہوسکتا ہے۔ البتہ اگر سہواً اُس سے ایسی لغزش ہوجائے تو اس کو فوراً اپنے قول و عمل سے رجوع کر لینا چاہیے اور تائب ہوجانا چاہیے کہ اس رجوع اور توبہ میں اس کی عزت افزائی اور سلامتی ہے۔

نثر میں ایسی لغزش کم از کم میرے لیے ناقابلِ تصور ہے۔ لیکن شعر میں لغزش کا

امکان رہتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نثر میں آدمی کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کا موقع ہوتا ہے اور کوئی مسلمان ہرگز کوئی بات ایسی کہنا گوارا نہیں کرے گا جس سے سیّد عالم ﷺ کی شان میں گستاخی ہوتی ہو، لیکن شعر میں گوناگوں اسباب کی وجہ سے ایسی لغزش دیکھنے میں آتی ہیں، کم علم لوگوں کا تذکرہ کرنا نہیں چاہتا۔ میں نے کوئی بھی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو بہت کم علم ہے اور نعتیں لکھتا ہے اور ان میں غلطیاں نہیں کرتا۔ حالاں کہ اس کا مقصد ہرگز بے ادبی کرنا نہیں ہوتا۔ لیکن زبان و بیان اور نعت کے آداب سے بے خبری کے نتیجے میں وہ ایسا کر گزرتا ہے۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ کسی بہت اچھے استاد سے جو نعت گوئی کے لوازمات سے آشنا ہو اور اردو زبان کی نزاکتوں سے واقف ہو، اصلاح لے لیا کریں لیکن ایسے استاد بھی مشکل سے ملتے ہیں۔

کم علموں سے لغزشوں کی مثالیں پیش کرنا بے سود ہے، کیوں کہ اُن سے لغزشیں ہونا یقینی ہی ہے۔ میں دو مثالیں صرف ان لوگوں سے پیش کرتا ہوں جن کا شمار پڑھے لکھے لوگوں میں ہوتا ہے ۔ ایک صاحب نعت میں لکھتے ہیں:

عروجِ حسن عطا ہے تمھاری شاہانہ

یہاں سیّد عالم ﷺ کی عطا کو دنیوی بادشاہ کی عطا کے مثل بتایا ہے۔ مسلمان کا عقیدہ ہے کہ سیّد عالم ﷺ جو عطا کرسکتے ہیں وہ دنیا کے بادشاہوں سے ممکن نہیں ہے اور جو دنیا کے بادشاہ عطا کرسکتے ہیں اس کو سیّد عالم ﷺ کی عطا کے مثل بتانا جہل کے مترادف ہے۔ مثل اور مثال میں فرق ہے۔ مثل قرار دینے میں مشبہ بہ کا رُتبہ مشبہ سے افضل ہوگا۔ یہاں دنیاوی بادشاہ کی عطا نعوذ باللہ زیادہ افضل قرار پائے گی۔ یہ بیان علم معانی و بیان سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ اس بیان میں مثل غلط تو ہے ہی مثال بھی درست نہیں ہے۔

ایک صاحب کا شعر یہ ہے:

عمر بھر ہم پھرے کو بہ کو
تجھ سے پایا نہیں خوب رو

اردو میں یہ شعر امیر خسرو کے اس فارسی شعر کی بازگشت ہے جو انھوں نے اپنے مرشد کے متعلق کہا ہے:

آفاقہا گردیدہ ام عشقِ بتاں درزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

امیر خسرو علیہ الرحمہ اپنے مرشد حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کو خطاب کر کے کہتے ہیں کہ میں نے ساری دنیا میں کوچہ نوردی کی، بہت سے پیر و مرشد دیکھے اور ان کی صحبت اختیار کی، لیکن آپ کا رتبہ سب سے بلند ہے۔ آپ کے مثل کسی کو نہیں پایا۔

دراصل امیر خسرو علیہ الرحمہ کی یہ شاعری ہے۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو نثر میں بیان نہیں کی جاسکتیں، لیکن شاعری میں جائز ہیں۔ حضرت امیر خسرو تو صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارا مرشد وقت کا سب سے بڑا مرشد ہے۔ لیکن اس کے لیے یہ کہنا کہ میں ساری دنیا میں پھرا ہوں اور بہت زیادہ مرشدین کی صحبت میں رہا ہوں، ایک خلافِ واقعہ بیان ہے۔ لیکن ''تو چیزے دیگری'' کے لیے یہ بیان ضروری تھا کہ یہاں مقصد واقعہ نگاری نہیں بلکہ دعویٰ کے ثبوت کے لیے اس شاعرانہ دلیل کو بیان کرنا ضروری تھا۔ اس بیان کا تعلق صرف تخیل اور شاعری سے ہے جو شاعری میں جائز ہے۔ ایسی خلافِ واقعہ بات اگر نعت میں کہی جائے تو جائز نہ ہوگا۔ لیکن اس مضمون کو کوئی صاحب لے اُڑے اور نعت پر منطبق کر دیا جو پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔

یہ کہنا کہ میں نے دنیا میں چھان مارا اور بہت جستجو کی کہ آپ (ﷺ) جیسا کہیں مل جائے مگر کہیں نہ ملا۔ ایک مسلمان کے ایمان کے خلاف بات ہے۔ کیوں کہ ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ سیّد عالم ﷺ جیسا کوئی بھی صفاتِ حسنہ میں نہیں ہوسکتا، صورت و سیرت، جمال، کمال، حسنِ اخلاق، روحانی قوت اور معجزہ یہاں تک کہ قوتِ بشری میں بھی آپ (ﷺ) کا کوئی ہم سر نہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو چار ہزار مردوں کی طاقت دی تھی:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مسلمان کا جب یہ ایمان پہلے ہی سے ہے تو اب آپ کے کسی ہم سر کی تلاش میں کوچہ کوچہ پھرنا اس ایمان میں شک کے مترادف ہے۔

مضمون کے علاوہ نعت میں زبان و بیان کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے ہم اسے دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک تو اصنافِ شعر اور دوسرے زبان و بیان کے بعض مسائل لیکن اصناف پر زبان کو اوّلیت حاصل ہے۔ اصناف میں زبان کا عمل دخل پورا ہوتا ہے۔ لیکن اس بحث سے پہلے ہم بعض اصولی باتوں کی طرف توجہ دینا چاہتے ہیں۔

اردو اور فارسی ادب میں فصاحت و بلاغت اور معانی و بیان کے سارے مسائل

قران سے ماخوذ ہیں۔ معانی و بیان پر پہلے عربی زبان میں کتابیں لکھی گئیں اور وہاں سے فارسی میں ان مسائل کو داخل کیا گیا۔ فارسی زبان سے اردو میں یہ مسائل لیے گئے۔ اردو اور فارسی زبان میں اب تک ادب کے حسن و قبح کا معیار یہی تھا جو قرآنی بنیادوں پر قائم ہوئے تھے۔ اسی لیے درس گاہوں میں عربی و فارسی بلکہ اردو کے بھی ادبیات کے طالب علم کو ان اصولوں کا جاننا ضروری تھا۔ اس کا فائدہ کم از کم یہ تھا کہ طالب علم کو بنیادی طور پر شعرفہمی کا ذوق ہوجاتا تھا اور وہ اس کے محاسن اور معائب کو شعر سمجھ لیتا تھا، شعرفہمی کے لیے یہ بنیادی لوازم ہیں اس کے بغیر جدید تنقید محض عبارت آرائی ہوگی۔

مذکورہ بالا لوازمات سے قطع تعلق کر لینے کے سبب آج طلبا کو محاسن و معائبِ شعر کے محاسن و معائب سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ ہماری ساری کلاسیکی شاعری انھیں اصولوں کی پابند ہے۔ ان اصولوں سے قطع تعلق کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ اب طلبا اپنی کلاسیکی شاعری سے ناواقف ہوتے جا رہے ہیں۔ ایران کا حال کچھ اس سے بھی برا ہے۔ ایرانی طلبا خود اپنی کلاسیکی شاعری کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ مغربی اثرات کا نتیجہ ہے۔ تمام اصنافِ سخن میں جو زور، حسن اور اثر پیدا ہوتا ہے وہ انھیں اصولوں کی پیروی سے ہوتا ہے۔ خواہ لکھنے والے کو اس کا پورا علم نہ ہو۔ کیوں کہ یہ اصول ہماری روزمرہ کی زندگی میں رچ بس گئے ہیں اور ان کا استعمال روزانہ بےتکلفی سے کرتے ہیں۔ ہماری زبان کی ساخت و پرداخت انھیں اصولوں پر ہوئی ہے۔ اور زبان بن جانے کے بعد یہ اصول مرتب ہو رہے ہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ زبان پہلے بنتی ہے اور اس کے اصول و قواعد بعد میں اہلِ علم مرتب کرتے ہیں۔ اردو زبان میں یہ اصول و قواعد کسی قدر پیچیدہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بابائے اردو عبدالحق سے پہلے کسی نے ان کی طرح باریک بینی سے اردو قواعد مرتب نہیں کی تھی۔ لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی بات اُن سے چھوٹ بھی گئی ہو۔ (یہاں اس وقت کوئی کتاب میرے پیشِ نظر نہیں ہے۔) اس وقت ہمارے سامنے زیرِ بحث مسئلہ اردو زبان میں ضمیر آپ، تو، تم، تمھارا اور تیرا یعنی ضمیر واحد حاضر کے استعمال کا ہے۔ کیوں کہ نعتیہ شاعری میں کبھی کبھی بعض لوگ ابھی تک ان کے استعمال پر تشکیک میں مبتلا ہیں۔ چوں کہ ہمارے پیشِ نظر اردو قواعد کی کوئی کتاب نہیں ہے اور اس کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے کیوں کہ ضمیروں کا استعمال ہم روزمرہ اور محاورہ کے مطابق کرتے ہی رہتے ہیں اور اصول تو ہمارے محاورہ کی

D:NaatRang-14
File :Makala-4
Final

بنا پر بنتے ہیں۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ضمیر واحد حاضر کا استعمال عام بول چال میں نہیں ہوتا اور نثری تحریر میں بھی عام طور سے نہیں ہوتا۔ انگریزی میں بھی ایسا ہی ہے۔ اردو میں ''تو'' کے بجائے تم اور آپ استعمال ہوتے ہیں۔ فارسی میں ''تو'' کے بجائے ''تان'' اور ''شما'' استعمال ہوتے ہیں۔

ہماری کلاسیکی شاعری میں ''تو'' کا استعمال ہوتا رہا ہے اور آج بھی شعر میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ ہمارے ہی زمانے میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو''تو'' کوحرفِ تحقیر کا ہم معنی سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کو بھی آپ اور جمع کے صیغہ میں خطاب کرتے ہیں۔ غالبًا ان کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہوگا کہ یہی لوگ سب سے زیادہ مؤدّب اور صحیح العقیدہ ہیں لیکن یہ مسئلہ خالص زبان کا ہے۔ ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ اردو زبان میں یہ کس طرح استعمال ہوتا ہے۔ زبان کسی گروہ کی اجارہ داری نہیں ہے۔ صرف ''تو'' پر بحث کرنے سے پہلے ہم یہ دیکھیں گے کیا اللہ تعالیٰ کو جمع کے صیغے میں خطاب کرنا درست ہے؟ اس سلسلے میں ہمیں قرآن ہی سے ہدایت حاصل کرنی ہوگی۔ پورے قرآن پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے متکلم کا صیغہ استعمال کیا ہے تو واحد اور جمع دونوں میں استعمال کیا ہے اور یہ اس کا حق ہے۔ عربی میں صیغہ متکلم میں تثنیہ نہیں ہوتا۔ اس لیے جب اللہ تعالیٰ خود جمع متکلم کا صیغہ استعمال کرے تو وہ تثنیہ نہیں ہوسکتا اور جب دو نہیں ہوسکتے تو تیسرے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اگر عربی میں تثنیہ کا صیغہ ہوتا تو تثنیہ کو چھوڑ کر جمع کا صیغہ استعمال کرنا بے محل ہوتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا اپنے لیے نحن استعمال کرنے سے نہ تثنیہ ہوسکتا ہے نہ جمع۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے لیے واحد ہی کا مفہوم نکلتا ہے۔ عربی زبان میں تثنیہ نہ ہونے کی حکمت بھی اس سے ظاہر ہوتی ہے اور اس سے عربی زبان کی ایک عجیب وغریب خوبی کا بھی پتا چلتا ہے۔

لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بندہ حاضر اور غائب کے صیغے میں اللہ تعالیٰ کو کس طرح خطاب کرے؟ قرآن میں جہاں کہیں خدا نے اپنے کو بندہ سے مخاطب کرایا ہے وہاں صرف واحد کے صیغے ہی میں خطاب کرایا ہے۔ واحد حاضر کے صیغے میں ک، انت اور واحد غائب کے ضیعہ ہ اورھو۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کو واحد ہی کے صیغے میں خطاب کریں۔

اردو میں واحد حاضر ''تو'' ہے، اس کا استعمال تحقیر کے لیے بھی ہوتا ہے اور تعظیم

کے لیے بھی۔ لیکن محلِ استعمال پر یہ احتمال باقی نہیں رہتا کہ یہ لفظ تحقیر کے لیے ہے یا تعظیم کے لیے۔ یعنی موقع استعمال پر معنی قطعی طور پر متعین ہو جاتا ہے۔ اگر اس کا استعمال اس طرح ہو کہ دونوں معانی مراد لیے جاسکیں تو اس کا استعمال ہرگز جائز نہ ہوگا اور اگر اللہ و رسول ک لیے ہے تو احتمال کفر بھی ہے۔

''تو'' کا استعمال جب تحقیر کے لیے ہوتا ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ مخاطب اپنے وجہ تحقیر میں فرد ہے اور اگر ایسا نہ بھی ہو تب بھی اس لفظ کو جس قصور وار کے لیے بطور تحقیر کوئی استعمال کرے تو اُسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس قصوروار میں دوسرے کو شامل کرے۔ اس لیے اگر وہ اپنے غصے کا اظہار ہی کرنا چاہتا ہے تو لفظاً ''تو'' استعمال کرتا ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ صرف ایک ہی شخص کو قصوروار ٹھہراتا ہے دوسرے کو نہیں۔

''تو'' کا استعمال کبھی اپنے برابر والے ایک دوسرے کے لیے کرتے ہیں۔ جہاں کوئی چیز محل ادب و لحاظ نہیں ہوتی بلکہ شائستگی کا بھی لحاظ رکھنا ضروری نہیں ہوتا اور اکثر بے تکلفی ہوتی ہے یا پیار و محبت کا جذبہ ہوتا ہے لیکن کسی بھی بڑے آدمی کو اس طرح خطاب کرنا بے ادبی ہوگی۔

اردو شاعری میں ہمارے قدما سے لے کر آج تک سبھی شعرا بشمول صوفی شعرا نے بھی اللہ تعالیٰ کے لیے تو، تیرا، تیرے استعمال کیا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں فرد ہے۔ اس فردیت کا اظہار بہ کثرت رائج ہے۔ اس لیے مثالوں کی ضرورت نہیں۔

اس کے لیے قدما اور بزرگ شعرا سے بھی مثالیں نہیں پیش کی جاسکتیں۔ موجودہ دور میں اگر کوئی بزرگ شخصیت بھی اس اصول کے خلاف روش اختیار کرے تو اُسے سند کے طور پر نہیں پیش کیا جاسکتا۔

فارسی میں بھی آپ کی جگہ ''تان'' استعمال کرتے ہیں اور یہ بھی روزمرہ کے آداب میں داخل ہے، اس میں سب برابر والے شریک ہیں۔ فارسی نعتیہ شاعری میں سیّد عالم ﷺ کے لیے ''تو'' اور ''توئی'' کا استعمال بہ کثرت ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ضمیر استعمال کرنے کا طریقہ شعر میں یہ رہا ہے کہ اگر ضمیر حاضر یا غائب واحد ہے اور لفظاً ظاہر ہے تو اس کے لیے فعل بھی واحد لاتے ہیں اور اگر ضمیر ظاہر نہیں ہے تو ایسے موقعے پر فعل جمع لاسکتے ہیں۔

D:NaatRang-14
File :Makala-4
Final

یہ صرف فارسی زبان کی خصوصیت ہے اس کی وضاحت کے لیے مثالیں ضروری ہیں۔ پہلے ایک شعر نقل کیا جاتا ہے جس میں خدا کو بطورِ فاعل استعمال کیا ہے۔ حافظؔ شیرازی کہتے ہیں:

اگر خدائے کسے را بہر گناہ بگیرد
زمیں بنالہ درآید زمانہ آہ بگیرد

یہاں فاعل کی مناسبت سے فعلِ واحد کا استعمال کیا ہے۔
حافظؔ شیرازی ہی کے شعر سے ذیل میں ایک مثال پیش کی جاتی ہے جس میں فعل جمع استعمال کیا ہے:

از لذتِ حیات ندارد تمتعے
امروز ہر کہ وعدہ بفرادش می دہند

حدیث شریف میں ہے کہ دنیا مومن کے لیے قیدخانہ ہے جس کو جنت کی خواہش ہے یا جسے دیدارِ خدا مرغوب ہے اُسے لذاتِ دنیاوی میں غرق ہونے سے بچنا ضروری ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ دنیا میں بغیر کھائے پیے اور سرد و گرم سے احتیاط کیے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں لیکن اصول یہی ہے کہ آدمی بقدر ضرورت دنیا کو استعمال کرے۔ اس کے لیے اسے حرص و ہوس اور عیش وعشرت کو ترک کرنا پڑے گا۔ یہاں ''می دہند'' کا فاعل خدا کی ذات ہے۔ لیکن چوں کہ فاعل لفظاً مذکور نہیں ہے اس لیے فعل جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ اس سے یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس وعدہ کی اطلاع بندوں کو، فرشتوں، رسولوں اور آسمانی کتابوں سے ہوتی ہے۔ یہ سب کام اللہ تعالیٰ اُن فرشتوں سے لیتا ہے جو اِن اُمور پر مقرر ہیں۔

حافظؔ شیرازی کا یہ شعر مشہور ہے:

آسماں بارِ امانت نتواست کشید
قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

یہ قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ زمین و آسمان اور پہاڑ اور دریا پر جب وحی الٰہی کی امانت پیش کی گئی تو سب نے انکار کر دیا۔ انسان نے قبول کرلیا۔ یہاں فاعل کو لفظاً ظاہر نہیں کیا گیا ہے۔ ''زدند'' فعل جمع لایا گیا ہے۔

غالبؔ کا ایک شعر نقل ہے:

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

اب سوال یہ ہے ''تو'' کا استعمال غیرِ خدا کے لیے تعظیم کے لیے کب استعمال ہوتا ہے۔ جہاں تک افضل خلائق سیّد عالم ﷺ کی ذات کا تعلق ہے تو یہ وہ ذات ہے جو مخلوق میں فرد ہے۔ اس لیے مخلوق میں اس ذات کی فردیت کے اظہار کے لیے ''تو'' ہی کا استعمال زیادہ مناسب اور بلیغ ہے۔ حضرت مولانا احمد رضا خان کہتے ہیں:

خسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا

کبھی ایسی خوبی کا بیان ہوتا ہے جو اگرچہ دوسروں میں بھی پائی جاتی ہے لیکن شاعر یہ بتانا چاہتا ہے کہ اس خوبی میں آپ ﷺ کی مثل کوئی نہیں ہے، مثلاً حضرت مولانا احمد رضا خان ہی کا کلام ہے:

نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہاں زیادہ مناسب ''تجھ سے'' کا استعمال ہے، لیکن ہمارا مدعا دونوں صورتوں میں حاصل ہے۔ شاعر کا مقصد یہ ہے کہ جود و سخا میں سیّد عالم ﷺ کا ہم سر کوئی نہیں ہے۔

یوں تو کسی خوبی میں آپ ﷺ کا کوئی ہم سر نہیں ہے، لیکن جزئیات کا جب بیان کیا جائے گا تو اسی مناسبت سے لفظوں کا استعمال ہوگا جس طرح باری تعالیٰ کے لیے سبھی اسمائے حسنٰی ہیں، لیکن قرآن میں ہر ایک کا بیان موقع اور محل کے مطابق ہوا ہے۔

ضمیر ''آپ'' کا استعمال ہماری روزمرہ زندگی کے آداب میں داخل ہے یہ اردو کلچر، اردو تہذیب اور اردو ادب کی دین ہے۔ اس کا یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ ہم ''آپ'' کہہ کر تعظیم کا حق ادا کر رہے ہیں۔ اخلاقیات میں ہم دشمن اور کافر کو بھی ''آپ'' کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ جہاں تعظیم اور بڑائی کرنا ہی مقصود ہوتا ہے تو اردو سے پہلے بھی اس طرح کے الفاظ استعمال کیے جاتے رہے ہیں، مثلاً جہاں پناہ، اعلیٰ حضرت، علیا حضرت، والا جاہ، جناب والا وغیرہ۔ جہاں پناہ تو اب نہیں رہ گیا۔ لیکن باقی الفاظ حاضر کے موقعے پر بھی خطاب کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ انگریزی میں His Holiness, His Highness وغیرہ

D:NaatRang-14
File :Makala-4
Final

استعمال ہوتے ہیں، لیکن ضمیر واحد حاضر کے طور پر ہمارے پاس دو ہی الفاظ ہیں: ''آپ'' اور ''تم'' جہاں ''تو'' کے استعمال کا موقع نہیں ہے وہاں آپ اور تم ہی استعمال ہوگا، لیکن ''تم'' کا استعمال شعر ہی میں جائز ہوگا یا نثر میں اس کا استعمال ان لوگوں کے لیے جائز ہے جو مرتبہ میں یا عمر میں چھٹے ہیں۔ لیکن یہ کوئی کلیہ بھی نہیں ہے۔ یہ اصول ہے کہ جو چیز نثر میں جائز نہیں وہ شعر میں جائز ہوسکتی ہے۔ زبان کے استعمال میں ہمارے لیے سند قدما اور بزرگ شعرا ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے آپ اور تم کا استعمال کسی طرح جائز نہیں۔

نعت ہر زبان میں لکھی جاسکتی ہے اور ہر صنفِ شاعری میں لکھی جاسکتی ہے فارسی میں بالخصوص قصیدہ کی ہیئت میں نعتیں لکھی گئی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ نعتیہ شاعری کسی بھی صنفِ سخن میں ہوسکتی ہے اور ہر صنفِ سخن میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ حقائق کا دامن ہاتھوں سے نہ چھوٹنے پائے اور اگر حقائق یا دلائل شاعرانہ ہوں تو اُن کی تاویل نعت کے مناسب ہو ورنہ شاعرانہ حقائق سے بھی گریز کرنا چاہیے۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں ایک شعر سے مثال دی گئی ہے۔

نعتیہ شاعری قصیدے میں زیادہ پرشکوہ نظر آتی ہے۔ قصیدے میں اندازِ بیان جتنا پرزور اور پرشکوہ ہوسکتا ہے وہ دوسرے اصنافِ سخن میں بہت کم نظر آتا ہے۔ ہاں مثنوی میں رجزیہ شاعری پرزور اور پراثر انداز میں کی گئی ہے۔ سیّد عبداللطیف ذوقیؔ ویلوری کی مثنوی ''معجز مصطفیٰ (ﷺ) اس کی بین مثال ہے۔ ذوقیؔ کی اس مثنوی پر راقم بہت پہلے تفصیل سے لکھ چکا ہے۔

فارسی میں حضرت ذوقیؔ علیہ الرحمہ نے کثرت سے قصائد لکھے ہیں۔ ان کے قصائد تقریباً سبھی نعت و منقبت میں ہیں۔ ذوقیؔ کے قصائد پر بھی راقم متعدد مضامین لکھ چکے ہیں۔ عرفیؔ کے نعتیہ قصائد بہت مشہور ہیں۔ اس کے دو شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

انعام تو بردوختہ چشم و دہن آز
احسان تو بشگافتہ ہر قطرۂ یم را
تقدیر بیک ناقہ نشانید و محمل!
لیلائے حدوث تو و عذرائے قدم را

''تجلیات''☆ میں راقم کا ایک نعتیہ قصیدہ بھی شامل ہے۔ یہ قصیدہ ایران، پاکستان،

☆۔ مضمون نگار کا مجموعۂ نعت

ادارۂ تحقیقات فارسی کے مجلّہ ''دانش'' میں بھی چھپ چکا ہے۔

شعر لکھنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس میں غنائیت ہوتی ہے غنائیت کی وجہ سے شعر زیادہ رواں اور اثرانگیز ہوجاتا ہے اور چوں کہ نعت اکثر مذہبی تقاریب میں اور خصوصاً سماع کے موقعوں پر پڑھی جاتی ہے اور سماع میں تو ساز کا التزام بھی ضروری ہوتا ہے کیوں کہ اس سے غنائیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس لیے غزل کی ہیئت میں نعت زیادہ لکھی گئی ہے۔ کیوں کہ غزل میں ردیف کی تان، قافیہ کی جھنکار اور پھر غزل کی بحر کی مخصوص موسیقیت غنائیت پیدا کرنے میں بہت معاون ہوتی ہیں۔ اس لیے غزل کے فارم میں نعتیں زیادہ لکھی گئی ہیں۔ اور پڑھی بھی جاتی ہیں۔

ترنم اور غنائیت کے لیے ہندی اور اودھی الفاظ کا استعمال بھی اردو میں بہ کثرت ہوا ہے اور ان کے استعمال سے مختلف طریقوں سے غنائیت پیدا کی گئی ہے۔ غنائیت پیدا کرنے کا ایک طریقہ لفظوں کی تکرار ہے۔ جیسا کہ حافظؔ شیرازی کے کلام میں کہیں کہیں ملتا ہے، مثلاً ایک غزل میں ردیف کی تکرار ہے:

خطائے رفت رفت

کچھوچھہ شریف کے بزرگ سیّد علی حسین اشرفی علیہ الرحمہ نے نعتوں اور نعتیہ گیتوں کا مجموعہ ''تحائف اشرفی'' کے نام سے لکھا تھا۔ اس میں ایک عارفانہ غزل میں تکرارِ لفظ سے کام لیا ہے اور اس سے حسنِ صوتی میں اضافہ کیا ہے:

کیوں ڈھونڈتے پھرتے ہو مجھے تم
کیوں میری تلاش میں ہوتے ہو گم
فی انفسکم فی انفسکم فی انفسکم

ایک مصرعے میں یوں تکرار ہے:

انا اقربکم انا اقربکم انا اقربکم انا اقربکم

اسی انداز میں پورا کلام ہے۔

یہ تکرار صرف عربی اور فارسی ہی میں جائز نہیں بلکہ کسی زبان میں بھی ہوسکتی ہے۔ بلکہ اس کا تعلق چوں کہ شعری محاسن سے ہے۔ اس لیے اس میں جواز اور عدمِ جواز کی بحث کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ لیکن چوں کہ اس طرح کے سوالات سامنے آتے ہیں اس لیے اس

D:NaatRang-14
File :Makala-4
Final

پر بھی خامہ فرسائی کرنی پڑی۔ اردو میں لفظوں کی تکرار سے کس طرح موسیقی اور غنائیت پیدا ہوتی ہے، اس کے لیے راقم اپنی ہی کتاب ''تجلیات'' سے مثالیں پیش کرتا ہے:

یادِ نبی کی جوت سے جو دل جگمگ جگمگ جگمگ جگمگ ہے
اس کے سر پر رحمتِ باری پگ پگ پگ پگ پگ پگ ہے

اوپر کے شعر میں بیان کردہ حقیقت سے کون مسلمان انکار کرسکتا ہے۔ تجلیات میں ایک نعت کے کئی اشعار میں لفظوں کی تکرار سے موسیقیت اور تاثیر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس میں مدھم مدھم، رم جھم رم جھم، کم کم، تھم تھم، کی تکرار ہے۔ ایک جگہ چھم چھم کی تکرار اس طرح ہے:

دل می رقصد من ہم رقصم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم چھم

جن لفظوں کی تکرار ہوئی ہے، وہ سب ہندی کے ہیں۔ یہ لفظوں سے کھیلنا نہیں ہے بلکہ لفظوں کا استعمال اس طرح کرنا ہے جن سے موسیقیت میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ کلام کا حسن ہے۔ ''تجلیات'' ہی سے ایک ایسی مثال دی جاتی ہے جس میں فارسی لفظ کی تکرار ہے:

فرقت میں رفیق اپنی تنہائی ہے تنہائی
تنہائی ہی تنہائی، تنہائی ہی تنہائی

حافظؔ شیرازی نے ایک غزل میں ہر شعر میں صرف لفظوں کو ادل بدل کر شعر پورا کر دیا ہے۔ یعنی پہلے مصرعے میں جو الفاظ ہیں دوسرے مصرعے میں اس کی ترتیب بدل دی ہے اور مصرع درست ہوگیا ہے۔ یہ بھی ایک فن ہے۔ ''تجلیات'' میں بھی ایک کلام اسی طرح ہے:

اللہ کی اطاعت ہے آقا کی اطاعت میں
آقا کی اطاعت ہے اللہ کی اطاعت میں

اس نعت میں نو اشعار ہیں اور ہر شعر میں یہی التزام کیا گیا ہے۔

جیسا کہ کہا جاچکا ہے کہ نعت ہر صنفِ سخن میں لکھی جاسکتی ہے اور نعتیہ گیت بھی لکھے جاسکتے ہیں، یوپی اور بہار میں نعتیہ گیت کثرت سے لکھے اور پڑھے جاتے ہیں۔ اور گیت چوں کہ ہندی اور اودھی زبان میں زیادہ شیریں ہوتے ہیں اسی لیے بالعموم ہندی اور اودھی ہی میں گیت لکھے جاتے ہیں۔

علی احمد جلیلی نے اپنی کتاب ''نقد و نگاہ'' میں نعت پر ہندی اور ہندوی اثرات کا بھی مختصر جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ نعت پر ہندی زبان کا اثر بھی بہت رہا ہے۔ اور ہندی زبان کے الفاظ اس میں بہت استعمال کیے گئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہندی مذہب و معاشرت اور ہندو مذہبی علائم بھی استعمال کیے گئے ہیں۔

جہاں تک ہندی لفظوں کا تعلق ہے تو اردو زبان میں ان کا چلن ہوتا ہی رہا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ مذہبی علائم کا استعمال کس طرح ہوا اور ہوسکتا ہے۔ علی احمد جلیلی نے محسن کاکوروی کے قصیدے سے یہ اشعار نقل کیے ہیں:

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل		برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
خوب چھایا ہے سرِ گوکل و متھرا بادل		رنگ میں آج کنھیّا کے ہے ڈوبا بادل
گھر میں اشنان کریں سر و قدانِ گوکل		جا کے جمنا پہ نہانا ابھی ہے اک طول امل
خبر اُڑتی ہوئی آئی ہے مہابن سے ابھی		کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
راجہ اِندر ہے پری خانۂ مئے کا بانی		نغمۂ لے کاسری کرشن کنھیّا بادل
دیکھیے ہوگا سری کرشن کا کیوں کر درشن		سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل
راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں		تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل
ڈوبنے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے		نوجوانوں کا سنیچر ہے بڑھوا منگل

یہ طویل قصیدہ اس شعر پر ختم ہوتا ہے:

کہیں جبریل اشارے سے کہا بسم اللہ
سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

اس میں بنارس اور دوسرے شہروں کے مذہبی تقدس کو علائم کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ شیخ علی حزیںؔ نے بنارس کے متعلق یوں لکھا ہے:

از بنارس نردم معبد عام است ایں جا
ہر برہمن پسرے لچھمن و رام است ایں جا

شیخ علی حزیںؔ نے بنارس میں جو دیکھا واقعے کے طور پر بیان کر دیا۔ اسے یہ منظر بڑا انوکھا لگا۔ یہاں تک کہ اس منظر اور اس کے پس منظر سے واقفیت کے لیے اس نے یہ عزم ظاہر کیا کہ وہ بنارس چھوڑ کر کہیں جانا پسند نہیں کرتا۔

یہاں برہمن کا بچہ لائق پرستش ہے اور اس کی پوجا ہوتی ہے کہ گویا وہ رام اور لچھمن ہے۔ یہ ایک مخصوص مذہبی پس منظر ہے اور اس کا اپنا تقدس ہے جو منفرد ہے۔ اسلام میں تو ظاہر ہے کوئی بھی بزرگ مخلوق ہستی معبودیت کا مقام نہیں پاسکتی۔ اوپر نقل کردہ تمام اشعار نعت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ نعتیہ قصیدے میں تشبیب کا نعت سے مناسبت رکھنا ضروری ہے۔

علی احمد جلیلی نے اپنی اسی کتاب میں امجد حیدرآبادی کی ایک نعتیہ گیت کے دو بند نقل کیے ہیں جس کا ٹیپ کا شعر یہ ہے کہ جو نعت سے مناسبت نہیں رکھتا:

جوگن کی جھولی بھر دو او رام نام والے

نعت میں ایسے اشعار بھی لکھے جاتے ہیں جن کا تعلق اخلاقی بلندی اور اوصاف حسنہ سے ہوتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''**بعثت لاتمم مکارم اخلاق**'' یعنی میں اخلاق کے تمام محاسن کو کمال تک پہنچانے کے لیے آیا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے خود آپ کے بارے میں فرمایا ہے کہ ''**انک لعلی خلق عظیم**'' یعنی بے شک آپ اخلاق کی بڑی بلندی پر ہیں۔ آپ کی ذات تمام اخلاقی خوبیوں کا سرچشمہ ہے، اس لیے جہاں بھی اخلاقِ حسنہ کی تعریف کی جائے تو اس کا تعلق آپ کی ذات سے ہوگا۔ اور اخلاقی تعلیمات آپ کی ہدایت کا جزو بھی ہیں۔ ''تجلیات'' سے اس طرح کا صرف ایک شعر بطورِ مثال پیش کیا جاتا ہے:

وہ آدمی نہیں جس سے ہو آدمی کو ضرر
وہ آدمی ہے جو کام آئے آدمی کے لیے

قصیدہ میں ایسے اشعار کی گنجائش زیادہ ہوتی ہے خصوصاً تشبیب کے اشعار میں۔ نعتیہ قصیدے میں تشبیب مشکل تر کام ہے کیوں کہ اس کا نعت سے مناسبت رکھنا ضروری ہے۔ عرفی کے ایک مشہور نعتیہ قصیدے کے تشبیب کے دو اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

اقبال کرم میگزد اربابِ ہمم را
ہمت نخورد نیشتر لا و نعم را
بے برگیِ من داغ تہد بر دلِ سلماں
بے مہریِ من زرد کند روئے درم را

پہلے شعر میں کہا گیا ہے کہ ہمت والے کسی سے کچھ سوال نہیں کرتے کیوں کہ کرم

کا قبول انھیں ڈستا ہے۔ یہ شعر حدیث کے پس منظر میں دیکھا جائے تو اس کا تعلق نعتیہ اشعار سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ رسولِ کریم ﷺ نے حضرت ثعبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ ایک بات کی ضمانت تم دو میں تمھیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ انھوں نے اقرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنی حاجت سوائے خدا کے کسی سے نہ طلب کرو۔ اس کے بعد حضرت ثعبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے پر سوار ہوتے اور اگر آپ کا کوڑا زمین پر گر جاتا تو کسی سے اُٹھانے کو نہ کہتے خود گھوڑے سے اُتر کر کوڑا اُٹھا لیتے۔

دوسرے شعر میں دنیا کی طرف اپنی بے التفاتی کا ذکر کیا ہے جو بالکل واضح ہے۔

نعت میں دعائیہ اشعار بھی لکھے جاتے ہیں۔ مسلمان کا عقیدہ ہے کہ دعا صرف اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہیے لیکن جب وہ اللہ کے محبوب سے مدد کا طالب ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے محبوب کی دعا خصوصاً نبی کی دعا رد نہیں ہوتی کیوں کہ ان کی مرضی مرضیِ حق ہے۔

اس بحث میں خصوصی توجہ رسولِ اکرم ﷺ کے لیے صیغۂ واحد حاضر استعمال کرنے کی طرف دی گئی ہے۔ بہت سے لوگ اس معاملے میں یہاں تک مذبذب نظر آتے ہیں کہ خدا کے لیے بھی آپ استعمال کرتے ہیں اور پھر فوراً بعد تو بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں خود یہ نہیں معلوم کہ یہ ضمیریں کیوں استعمال کرتے ہیں۔ اور ان کی کیا معنویت ہے۔ اس لیے راقم نے اسے جس طرح سمجھا اسے تفصیل سے توجیہات کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ اس کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ خدا کے لیے آپ یا تم کا استعمال کرنا کسی طرح جائز نہیں کیوں کہ یہ دونوں ضمیریں فعل جمع چاہتی ہیں۔ بندہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ خدا کو واحد کے صیغے میں خطاب کرے۔

۲۔ رسولِ اکرم ﷺ کے لیے تو یا تیرا کا استعمال اس وقت جائز ہوگا جب بیان میں آپ کے کمالات کی یا کسی کمال کی فردیت کا ذکر ہو۔

۳۔ نثر میں رسولِ اکرم ﷺ کے لیے صرف ''آپ'' ہی استعمال کرنا درست ہوگا اور یہ استعمال کسی بھی بزرگ ہستی کے لیے زیبا ہے۔

D:NaatRang-14
File :Makala-4
Final

۴۔ شعر میں رسولِ اکرم ﷺ کے لیے تم یا تمھارا استعمال کرنا جائز ہوگا اور یہ استعمال کسی

بھی بزرگ ہستی کے لیے زیبا ہے۔

۵۔ ایک مسئلہ ''حضرت، آنحضرت اور اعلیٰ حضرت کا ہے۔ اس بارے میں بھی راقم واضح طور پر لکھنا چاہتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کا مطلب کسی ایسی ہستی کی طرف اشارہ کرنا ہے جو بعض پر فضیلت رکھتی ہے۔ اس لیے رسولِ اکرمﷺ کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں۔ کیوں کہ آپ افضلِ خلائق ہیں۔ آنحضرت کا مشار الیہ جب رسولِ اکرمﷺ کی ذات ہوگی تو اس کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم یا کوئی اور درود لکھنا ضروری ہے۔ شعر میں چوں کہ مشارالیہ قرینہ سے ظاہر ہو جاتا ہے اس لیے مشارالیہ اگر آپﷺ کی ذات ہے تو درود لکھنا اور نہ لکھنا دونوں جائز ہوگا اگر نام کے ساتھ حضرت لگا ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ درود لکھنا ضروری ہے۔ لیکن اگر حضرت تنہا بطور اسم اشارہ استعمال ہوا اور مشارالیہ آپﷺ کی ذات ہے تو اس کے ساتھ درود کا ہونا واجب ہے۔ لیکن شعر میں چوں کہ قرینے سے مشارالیہ معلوم ہو جاتا ہے اس لیے درود لکھنا اور نہ لکھنا دونوں جائز ہے۔

اس مضمون میں جہاں رسولِ اکرمﷺ کے لیے ضمیر ''آپ'' استعمال کی گئی ہو تو ہم نے اکثر اس کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہے، کبھی نہیں بھی لکھا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسولِ اکرمﷺ کے نام پر درود نہ پڑھنے والے پر لعنت ہے۔ لیکن ضمیر یا اسم اشارہ ہو اور مشارالیہ آپﷺ کی ذات ہو تو اس موقعے پر درود پڑھنا اور لکھنا بالعموم رائج نہیں ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اس موقعے پر واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر اس موقعے پر بھی درود لکھا اور پڑھا جائے تو ادب ہی میں داخل ہوگا۔ البتہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے ''ؐ'' یا ''صلعم'' لکھنا درست نہیں۔ جہاں تک ادب کا تعلق ہے تو میں نے ایک بزرگ عالمِ دین کو دیکھا کہ جب ان کے سامنے رسولِ اکرمﷺ کا نام آتا تو وہ ادب سے کھڑے ہوجاتے۔ یہ اُن کا ادب تھا۔ لیکن اسے مسئلہ نہیں بنایا جاسکتا۔ رسولِ اکرمﷺ کا جتنا بھی احترام ممکن ہو کیا جائے کہ:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

نعت نگاروں سے لغزشوں کے بعض وجوہ

اس مضمون کا تعلق ''اردو زبان میں نعت گوئی'' کے سلسلے میں زبان و بیان سے ہے۔ یہ کوئی فتویٰ نہیں ہے اور نہ اس کا مقصد کسی کے خلاف کچھ لکھنا ہے۔ ہر کلمہ گو کا ایمان ہے کہ محمد رسول اللہﷺ افضل الخلائق ہیں اور آپ کا احترام فرض ہے اس یقین کے ساتھ کہ:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ہم نے پچھلے صفحات میں دو اشعار پیش کر کے اور ان کا تجزیہ کر کے یہ دکھایا ہے کہ نعت کے موضوع پر شعرا کیوں کر اور کس طرح غلطیاں کرتے ہیں۔ اردو زبان میں شعر کہنے والے کثرت سے ہیں جن کا شمار کرنا بھی عملاً ممکن نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ہر وہ آدمی جس کی طبیعت کچھ موزوں ہے وہ اپنے کو شاعر سمجھتا ہے۔ اس زمانے میں جب کہ موزونی طبع بھی شعر کہنے کے لیے لازمی شرط نہیں رہ گئی تو اس تعداد میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے کہا تھا کہ کلام کو سمجھنے کے لیے معنی و بیان کے مسائل سے واقفیت ضروری ہے مگر اب اس کے بغیر بھی شاعر کیا بلکہ لوگ مفسر اور علامہ بن گئے ہیں۔ معنی و بیان کے مسائل سے واقفیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ صرف ان کی اصطلاحات اور ان کی تعریفوں کا حافظ بن جائے۔ بغیر ذوق کے محض ان اصطلاحات کو جان لینا کافی نہیں۔

چوں کہ نعتیہ اشعار عام طور سے عوام میں پڑھے جاتے ہیں اور انھیں سے دادِ تحسین حاصل کی جاتی ہے اس لیے نعتیہ شاعری کرنے والے لوگ اور بھی زیادہ نظر آتے ہیں۔ انھیں یہ احساس نہیں کہ موضوع کے اعتبار سے یہ مشکل ترین شاعری ہے۔ جب اس شاعری کے لیے کوئی شرط نہ رہی تو لازمی طور پر ایسے شاعروں سے لغزشوں کا ہونا ممکن ہی نہیں ضروری ہے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ نعتیہ شاعری میں عام شعرا سے غلطیاں کیوں ہوتی ہیں۔

شاعری میں زبان و بیان کے پہلوؤں پر نظر رکھنا اور درست شعر کہنا ضروری ہے۔ لیکن شعر کو محاسن کا حامل بنانے کے لیے محض اتنا کافی نہیں ہے۔ نعتیہ شاعری میں اگر شاعر عشقِ رسول میں ڈوبا ہوا ہو تو اس کے کلام میں جو قوت و تاثیر اور جذبہ کی صداقت نمایاں ہوگی وہ محض بیانیہ شاعری میں ممکن نہیں۔ عشق کی کیفیت اس کو لغزشوں سے بھی محفوظ رکھ سکتی ہے کیوں کہ یہاں عشق خود معلم ادب ہوگا اور یہ عشق اس بارگاہ کی عظمت کو فراموش نہ ہونے دے گا۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ شاعر میں یہ کیفیت ہر وقت ہو۔ اس لیے نعت لکھنے میں ہر وقت اپنے حدود کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

عرفیؔ جس کے ذہن کی درّا کی اور علو فکر اس کے کلام سے اظہر من الشّمس ہے اور جس کو بڑے بڑے باذوق دانش وروں نے خراجِ تحسین پیش کیا ہے، ایک نعتیہ قصیدے میں لکھتا ہے کہ نعت گوئی میں صرف ذہنی کاوش سے کام لینا نعت کے مرتبے کے سزاوار نہیں ہے

بلکہ یہاں اخلاص و محبت کی ضرورت ہے، وہ لکھتا ہے:

دانش نکشاید بسزا عقدہ نعتست
زیں جاست کہ اندیشہ نگوں کرد علَم را

یعنی صرف علم و دانش سے نعت کا عقدہ نہیں کھل پاتا۔ یہاں فکر عاجز ہے اور عجز سے اپنے جھنڈے کو جھکا دیا ہے۔

مدحِ تو ز اخلاص کنم گدیہ نہ از علم
از بتکدہ چوں آورم آہوئے حرم را

میں آپ کی مدح علم سے نہیں بلکہ اخلاص و محبت سے طلب کرتا ہوں۔ (عقل کے) بت کدہ سے میں حرم کا آہو کیسے پاسکتا ہوں (یعنی میری خواہش ہے کہ آپ کے عشق میں ڈوب کر نعت لکھوں نہ کہ ذہنی کاوش سے)۔

ہر آدمی سے غلطی ممکن ہے سوا اس کے جس پر وحی کا نزول ہوتا ہے یا جسے خدا ہی محفوظ رکھے اور شعرا اس سے مستثنیٰ نہیں۔ لیکن لکھنے میں زیادہ محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔ ہر آدمی کے علمی اور فکری حدود بھی ہیں جس شاعری کا تعلق مشاہدۂ کائنات اور اس میں فطرت کے عوامل سے ہو اس میں آدمی جزئیات کے بیان میں فکری غلطیاں کرسکتا ہے۔ پھر اس کا شعور مزید بیدار ہوتا ہے اور اس کی استنباطی اور استخراجی قوت اس پر نئے اسرار منکشف کرتی ہے اس طرح اس کی فکر ارتقائی منزلوں سے گزرتی ہے۔ اس عمل میں اس سے غلطیاں خطائے بشری کا تقاضا ہیں اور مفکر سے بالعموم ایسا ہونا ضروری ہے۔ شاعر یا مفکر سے غلطیاں کیوں ہوتی ہیں یہ میرا موضوع نہیں ہے۔ یہ درمیان میں صرف سخن گسترانہ بات آگئی ہے۔ مقصد صرف اتنا کہنا ہے کہ الانسان مرکب من الخطاءِ والنسیان۔

لیکن نعت لکھتے وقت ہر فرد کو اپنی حدود کا احساس کر لینا چاہیے اگر ہر شاعر اس بات کا لحاظ رکھے اور اپنی حد سے تجاوز نہ کرے تو اس محتاط رویے کی بنا پر نعت لکھنے میں یقیناً اس سے غلطیوں کا امکان کم سے کم ہو جائے گا۔ اور کم از کم وہ معنوی غلطیوں سے تو بچ سکے گا۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ زیادہ تر عام شعرا اس کی پروا نہیں کرتے اور غلطیوں کا ارتکاب محض بے پروائی کی بنا پر کر جاتے ہیں۔

ہماری زبان میں بعض الفاظ، روزمرہ اور محاورات ایسے ہیں جو عام بول چال بلکہ

تحریر و تقریر میں بھی استعمال ہوتے ہیں، لیکن وہی الفاظ و محاورات رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شان کے منافی ہیں یا طریقۂ استعمال سے آپ کی شان کے منافی ہوسکتے ہیں۔ میں یہاں ایک ایسا شعر پیش کر رہا ہوں جسے پڑھے لکھے لوگوں کی زبانی محفلوں میں مجھے بار بار سننے کا اتفاق ہوا ہے۔

مثالِ مصطفےٰ کوئی پیمبر ہو نہیں سکتا
ستارہ لاکھ چمکے مہرِ انور ہو نہیں سکتا

اس شعر پر غور کرنے کے لیے تمہید میں ایک مقدمہ ضروری ہے۔ اردو شاعری میں رشک کا مضمون کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ رشک کو اچھا سمجھا گیا ہے یعنی اگر کوئی شخص یہ خواہش کرے کہ غالب کی طرح بڑا شاعر بن جائے یا کسی عالم دین کی طرح بڑا عالم بن جائے یا گاما پہلوان کی طرح پہلوان بن جائے تو یہ خواہش بری نہیں ہے۔ البتہ حسد بری چیز ہے کیوں کہ اس میں آدمی دوسروں کی تباہی و بربادی کی خواہش کرتا ہے۔ لیکن اگر آدمی رشک نہ بھی کرے تو یہ ہر آدمی کا حق ہے کہ قدرت نے اس کو جو بھی صلاحیتیں دی ہیں اُن کو استعمال کر کے اپنی استعداد کو ممکنہ حدِ کمال تک پہنچائے۔ اب اگر ایک آدمی اپنی جسمانی قوت کی استعداد کو اس لیے بڑھاتا ہے کہ یہ اس کا حق ہے تو وہ اپنی جسمانی قوت کو بڑھائے۔ یہ رشک نہ ہوگا، لیکن اگر وہ اپنا مطمحِ نظر یہ بنائے کہ وہ گاما کی طرح پہلوان بن جائے تو یہ رشک ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ علمِ دین حاصل کرتا ہے اور اپنی علمی صلاحیت کو بقدر استعداد درجۂ کمال تک پہنچائے تو یہ خوبی کی بات ہوگی لیکن اسے رشک نہ کہیں گے لیکن اگر وہ یہ خواہش کرے کہ وہ مثلاً شاہ ولی اللہ دہلوی جیسا عالم بن جائے تو یہ رشک ہوگا اور یہ بری بات نہ ہوگی۔ ہمارے اصل مقصد کو سمجھنے کے لیے یہ مثالیں کافی ہیں۔ ان مثالوں کے بعد اس مصرعے پر غور کیجیے:

ستارہ لاکھ چمکے مہرِ انور ہو نہیں سکتا

ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ مہرِ انور ایک ستارہ ہی ہے بلکہ صرف شاعر کے مدعا کو پیشِ نظر رکھیں گے جو شعر کے مفہوم سے ظاہر ہے۔

مصرعے میں روزمرہ ''لاکھ چمکے'' استعمال کیا گیا ہے۔ اور پھر ''مہرِ انور ہو نہیں سکتا'' کہہ کر اسی کے بعد ''لاکھ چمکے'' استعمال کر کے رشک کا مفہوم پیدا کر دیا ہے۔ اس کا مفہوم یہ

D:NaatRang-14
File :Makala-4
Final

ہے کہ ستارہ لاکھ چمکے یا لاکھ چاہے یا لاکھ کوشش کرے۔ اس مصرعے میں ستارہ اور مہرِ انور کا استعمال بطور استعارہ کیا گیا ہے۔ اس میں لف ونشر غیرمرتب ہے۔ مہرِ انور سے مراد سیّدالانبیا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات ہے اور ستارہ اُن کے سوا ہر نبی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ ستارہ یعنی ہر نبی اس کوشش میں ہے کہ وہ مہرِ انور یعنی سیّدالانبیا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرح صاحب فضیلت ہوجائے جب کہ یہ بات خلافِ واقعہ ہے۔ یہ تو ملتا ہے کہ بعض نبیوں نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ کاش وہ آپ ﷺ کی اُمت میں ہوتے، لیکن رشک کا مضمون نبی کی شان کے خلاف ہے۔ اور اگر کوئی اُمتی ایسا چاہے تو وہ نہ صرف جاہل بلکہ راندۂ درگاہ ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ شاعر نے اسے ناسمجھی سے لکھا ہے۔ اس لیے کوئی فتویٰ نہیں صادر کرنا چاہیے۔ شاعر کی نظر اس پر نہیں تھی کہ اس بیان سے کیا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ اس کی ردیف خود اس کی متقاضی ہے کہ شاعر کو بڑی احتیاط اور بہت سنبھل کر نعت لکھنا چاہیے۔ اور اگر وہ مشاق شاعر نہیں ہے تو اس ردیف سے بچنا ہی بہتر ہے۔ بہرحال کھلم کھلا کوئی کلمہ گو ایسا بیان نہ کرے گا۔ اگر جان بوجھ کر کھلم کھلا ایسا بیان کرے تو یقیناً اس پر فتویٰ صادر کیا جاسکتا ہے۔ راقم نے یہ صرف اس لیے لکھ دیا ہے کہ جن نعت گو شعرا تک یہ مضمون پہنچ سکے کم از کم وہ پہلے سے زیادہ محتاط ہوجائیں۔ ان کی احتیاط کا اثر دوسرے شعرا پر بھی پڑ سکتا ہے۔ اور آئندہ ممکن ہے کہ نعتیہ شاعری کے لیے بھی نقد وتبصرہ کے کچھ اصول متعین ہوسکیں۔

عرفؔی کو نعت لکھنے میں احتیاط کا زیادہ خیال تھا۔ اس کے باوجود لغزش سے خائف رہتا تھا۔ وہ لکھتا ہے:

ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعتِ شہِ کونین و مدیحِ کے و جم را

اے عرفؔی ہوشیار کہ ایک ہی آہنگ سے نعتِ شہِ کونین اور دنیا کے بادشاہوں کی مدح نہیں لکھنا چاہیے۔ اور پھر رسولِ اکرم ﷺ کو خطاب کرکے لکھتا ہے:

ہر گاہ کہ وز مدح بلغزم تو بخشائے
کز مدح ندانم من حیران شدہ ذم را

اگر میں آپ (ﷺ) کی مدح میں لغزش کروں تو مجھے معاف فرما دیں، کیوں کہ آپ کے علو مرتبہ کا خیال کرکے عقل حیران ہو جاتی ہے اور اس حیرانی میں مجھے معلوم نہیں کہ میں

نے جو مدح لکھا ہے وہ آپ کے مرتبے کے شایانِ شان ہے یا نہیں۔ اسی لیے غالبؔ نے کہہ دیا کہ:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کان ذات پاک مرتبہ دانِ پیمبر است

غالبؔ نے رسول اکرم ﷺ کی ثنا کو خدا کے سپرد کر دیا کیوں کہ وہی ذاتِ پاک آپ کے مرتبہ سے واقف ہے۔

زبان و بیان سے لاعلمی کی بنا پر غلطی کا امکان تو رہتا ہی ہے لیکن اس زمانے میں جدیدیت کے نام پر زبان میں نہ صرف بناؤ کے مقابلے میں بگاڑ زیادہ پیدا ہو رہا ہے بلکہ اسے دانستہ نعت پر آزما کر شاعر ایسی فاحش غلطیوں کا مرتکب ہو رہا ہے کہ اسے یہ بھی احساس نہیں ہوتا کہ شعر سے مدح کا پہلو نکلتا ہے یا ذم کا۔ اگر نعت سے ہٹ کر کوئی عام موضوع ہوتا تو ہم کوئی تعارض نہ کرتے لیکن نعت میں ایسی فاحش اغلاط کو دیکھ کر جس میں ذم کا پہلو نمایاں ہے خاموش رہنا خود جرم کا مرتکب ہونا ہے۔ اس لیے یہاں ''ٹوک دوگر غلط کہے کوئی'' پر عمل کرنا اپنا فرض بن جاتا ہے۔

یوں تو اس طرح کی غلطی کہیں بھی اور کسی رسالے میں بھی کی جائے تو جائز نہیں قرار دی جاسکتی لیکن جب ایک مشہور و معروف دینی درس گاہ دارالعلوم لطیفیہ ویلور جیسے ذی وقار ادارہ کے ترجمان اللطیف میں ایسی غلطیاں شائع ہوں تو اُسے آشکارا کرنا ضروری ہوجاتا ہے تاکہ اللطیف کا دینی وقار مجروح نہ ہونے پائے اور خواص کی نظروں سے گرنے نہ پائے اورعوام غلط رہنمائی سے بچ جائیں۔

ان باتوں کے ساتھ ایک خوش آئند بات ایہ ہے کہ شاعرعلیم صبا نویدی کی کتاب ''کتاب سے کتاب شناسی تک'' میں یہ برملا اظہار کیا گیا ہے کہ معاصرین شعرا کی غلطیوں اور عیوب پر گرفت کرنا ضروری ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ خود چاہتے ہیں کہ اگر ان سے اغلاط سرزد ہوں تو فوراً اس پر گرفت کی جائے۔

علیم صبانویدی کی کتاب ''کتاب سے کتاب شناسی'' کا ابتدائیہ ''حرفِ اوّلین'' کے نام سے ڈاکٹر راحت سلطانہ کے قلم سے لکھا ہوا ہے جنھوں نے علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری پر پی ایچ ڈی کا مقالہ بھی لکھا ہے۔ جیسا کہ ان کے بیان سے ظاہر ہے، وہ لکھتی ہیں:

عام طور پر ہمارے نقادوں میں ایک صفتِ خاص قدر مشترک کی حیثیت

D:NaatRang-14
File :Makala-4
Final

رکھتی ہے کہ وہ کسی بھی شعری مجموعے یا نثری شہ پارے پر مقدمہ یا تبصرہ کرتے ہوئے ایسے رسمی جملے اور ایسی عام سطحی باتیں لکھ دیتے ہیں کہ کسی بھی شاعر کا نام کسی بھی تبصرہ یا مقدمہ کی پیشانی پر لکھ دے تو اس سے کوئی خاص فرق محسوس نہ ہوگا۔ شاید نقادوں کا یہ صلح کل کا رویہ ان کی وسعت قلمی کی غماز ہے جس کی وجہ سے شاعر و ادیب اپنے معائب و محاسن کے فرق سے نہ صرف ناآشنا رہ جاتے ہیں بلکہ ان کے ذہن سے ایک طرح کی تعلّی اور اک گونہ جمود راہ پایا جاتا ہے۔ (خط کشیدہ جملہ کے الفاظ اصل متن میں اسی طرح ہیں) جو ادب اور ادیب دنوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ علیم صبا نویدی کے مذکورہ مضامین کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے ہر ایک تحریر کے سیاق سباق میں جھانکتے ہوئے اس کے پیش نظر و پس منظر کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ اور بے کم و کاست اپنی رائے کا اظہار بھی کر دیا ہے۔ یہی امتیازی شان ان مشتملات کو افادہ عام کے لیے شائع کرنے کا سبب بنی ہے۔

محترمہ کے لکھنے کے مطابق اس تحریر کے ''افادہ عام'' کا جو پہلو اس وقت میرے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ چوں کہ خود علیم صبا نویدی معاصرین شعرا اور ادبا کی غلطیوں پر گرفت کرنا ضروری سمجھتے ہیں (اور راقم کی رائے میں بھی یہ درست ہے) اس لیے اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ خود چاہتے ہیں کہ اگر ان سے اغلاط سرزد ہوں تو فوراً اس پر گرفت کی جائے۔ ان کا یہ رویہ میری نظر میں قابلِ تحسین بھی ہے۔

اس کے باوجود اگر معاملہ نعت یا کسی خاص مذہبی موضوع کا نہ ہوتا تو ہم نظرانداز کر جاتے۔ البتہ ہمارا طریقہ الگ یوں ہوگا کہ ہم بلادلیل کسی کو غلط نہ کہیں گے اور جو کچھ لکھیں گے وہ تحلیل و تجزیہ اور دلائل کے ساتھ۔ کیوں کہ زبان و بیان کے اصول ہمارے پابند نہیں بلکہ ہم ان اصولوں کے پابند ہیں۔ لہٰذا ان اصولوں سے بے نیاز ہو کر ہمیں حکم لگانے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

اصل بحث پر آنے سے پہلے ایک اور امر کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا۔ اس دور

میں جدیدیت کے علم برداروں میں شمس الرحمٰن فاروقی کا نام بہت نمایاں ہے۔ ان کے نزدیک اس دور کے اردو شعرا کا سب سے بڑا اور اہم مسئلہ اظہار کے نئے اسالیب اختیار کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلوب کی جدت سے کون انکار کرسکتا ہے۔ اردو تاریخ پر نظر ڈالیے تو قلی قطب شاہ سے لے کر غالب و اقبال تک اسالیب میں بتدریج ترقی یافتہ صورتیں نظر آئیں گی۔ اسالیب کا یہ سفر جاری ہے اور رہے گا اور سچ تو یہ ہے کہ یہ سفر کسی ادبی تحریک کے بغیر جاری رہا ہے۔ لیکن شمس الرحمٰن فاروقی نے یہ کبھی نہیں کہا کہ جدیدیت کے نام پر زبان و بیان کے بنیادی اصولوں سے یکسر انحراف کیا جائے۔ اس پر خود ان کی شاعری گواہ ہے میں نے ایک بار مدارس یونی ورسٹی میں جب شمس الرحمٰن فاروقی کو مدعو کیا تھا تو ان سے کہا تھا کہ جدیدیت سے زبان کو زیادہ نقصان پہنچ رہا ہے اور شعرا بڑی بے راہ روی اختیار کر رہے ہیں۔ اس کا جواب انھوں نے یوں دیا تھا کہ کلاسیکی دور کے صرف چند شعرا جن کو تاریخِ ادب اردو میں کوئی مقام حاصل ہے اور بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جن کو لوگ جانتے بھی نہیں۔ یہی حال اس دور کے شعرا کا ہوگا۔ وہ لوگ جن کو شعر کہنے کا سلیقہ ہوگا اور جن کو فن پر قدرت ہوگی وہی زندہ رہیں گے باقی اپنی موت مر جائیں گے۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے ماضی کے تجربے سے مستقبل کی نشان دہی کر دی ہے۔ اس آئینے میں شعرا اپنا محاسبہ خود کرسکتے ہیں۔ یہاں ایک بات کا اور اضافہ کرنا چاہوں گا۔ اگر کسی شاعر کی اپنی کوئی فکر ہے اور اس کی قوتِ مشاہدہ تیز ہے اور اس تازہ فکر و تجربے کو شعری پیکر عطا کرنا چاہتا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ کلاسیکی پختگی کو چھوڑ کر اظہار کے صرف نئے طریقے پر زور دے۔ اس ارادی عمل میں یہ زیادہ ممکن ہے کہ شعر کا حلیہ ہی بگڑ جائے۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ زمانے کی رفتار ہی جدید سے جدید تر کی طرف رہی ہے۔ اور اس میں شاعر کا اپنا وجدان کارفرما رہا ہے تو اب بھی شاعر کا اپنا وجدان شعر کو جدید تر بنانے میں اپنا کام کرتا رہے گا۔ اگر تھوڑے ہی تفحص سے کام لیا جائے تو کلاسیکی دور کے شعرا کے کلام میں ایسے اشعار مل جائیں گے جن پر جدید ہونے کا گمان ہوگا۔ یہاں جدیدیت اور کلاسکیت کا امتیاز بھی نہیں رہ جاتا۔ لیکن جدیدیت سے اگر مراد فن سے فرار یا شعر و نثر کے امتیاز کو ختم کر دینا ہے تو ہمارے مخاطب یہ لوگ نہیں ہیں۔

اس تمہید کے بعد علیم صبا نویدی کی نعت پر نظر ڈالتے ہوئے ہیں جو اللطیف ۱۴۲۱ھ

میں شائع ہوئی ہے، لکھتے ہیں:

اک نہ اک طوفان سے ہر روز اک مڈبھیڑ ہے
تھامنے کو روز اپنا دامن آئے مصطفٰے

پہلے مصرعے میں لفظ مڈبھیڑ بہت ثقیل ہے۔ اگرچہ یہ پابندِ شاعری ہے مگر مصرعے میں کوئی رچاؤ اور پختگی نہیں ہے۔ دوسرے مصرعے میں محاورہ کے غلط استعمال سے ایسا گستاخی آمیز مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ الامان والحفیظ۔ دامن اس کا تھاما جاتا ہے جس سے آدمی مدد یا نجات کا طالب ہوتا ہے۔ ''دامن تھامنے'' کے بجائے یہاں ''بازو تھامنے'' کا موقع تھا۔ بازو کم زور کا تھاما جاتا ہے۔ محاورہ کے فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کے سبب کتنی بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے اور لکھتے ہیں:

کس کی خاطر عالمِ امکاں کا ہے یہ اہتمام
ہم سمجھتے ہیں کہ سب کچھ ہے برائے مصطفٰے

اس میں چند در چند غلطیاں ہیں۔ ہم صرف ایک بڑی معنوی غلطی کی نشان دہی کرتے ہیں۔

دوسرے مصرعے میں ''ہم سمجھتے ہیں'' کہہ کر حال کو اپنی ذاتی سمجھ پر موقوف کیا ہے۔ جب آدمی کسی چیز کو اپنی ذاتی سمجھ پر موقوف کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کو ہماری سمجھ سے اختلاف بھی ہوسکتا ہے کیوں کہ عقول میں اختلاف کا ہونا ناگزیر ہے تو مطلب یہ ہوا کہ ہماری سمجھ سے واقعہ تو یہ ہے لیکن بعض دوسروں کی سمجھ اس کے خلاف ہوسکتی ہے۔

دوسرا عیب یہ ہے کہ شاعر نے اس چیز کو اپنی سمجھ پر موقوف رکھا ہے جس کا حق وہ نہیں رکھتا۔ یہ تو کائنات کا خالق ہی بتا سکتا ہے کہ کائنات کس کے لیے ہے۔ خالق کے بتانے سے ہمیں معلوم ہوا۔ جو صرف خالق کے اختیار میں ہے۔ شاعر اُسے اپنے ذمے لے رہا ہے۔ ''ہم سمجھتے ہیں'' کہ جگہ اگر ''قول ربی ہے'' ہوتا تو شعر اچھا ہو یا نہ ہو، بات درست ہوتی۔

مقطع دیکھیے:

بعد رحمت بھی صبا کو آپ سے اُمید ہے
کون ہوگا حشر میں اپنا سوائے مصطفٰے

یہاں ''بھی'' کا استعمال ایسا غلط ہے جس نے معنی میں عیب پیدا کر دیا ہے۔ اگر بات یوں ہوتی کہ اپنے گناہوں کے بعد بھی آپ سے رحمت کی اُمید ہے تو بات درست ہوتی۔ یہاں ''رحمت'' کو عیب کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

اور شعر ہے:

میری اپنی پتلیاں اُن پتلیوں میں ڈوب جائیں
زیرِلب جن پتلیوں میں مسکرائے مصطفٰےؐ

''پتلیوں میں پتلیاں ڈالنا'' کون سا محاورہ ہے؟ اس میں مدح کا کون سا پہلو ہے؟ جس ہستی کی خاکِ پا کو مومن اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے کا آرزومند ہوتا ہے، شاعر بجائے ان کی خاک پا کو اپنی آنکھوں میں لگانے کے اپنی آنکھوں کو اُن کی آنکھوں میں ڈبونا چاہتا ہے ایسا کیوں ہے؟ کہنے والا ہی سمجھے۔

یہ بھی شعر دیکھیے:

تیرگی کی بھیڑ سے باہر نکلنا ہے مجھے
میرے آگے ضوفشاں ہے نقش پائے مصطفٰےؐ

قرآن میں ہے، **''اللّٰہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور''** یعنی اللہ ان کا دوست ہے جو ایمان لائے۔ انھیں وہ (کفر کی) تاریکی سے نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لاتا ہے۔ قران میں یہاں تیرگی سے مراد کفر کی تیرگی ہے۔ کیوں کہ ایمان لانے والا کفر چھوڑ کر ہی ایمان لاتا ہے۔

لیکن یہاں شاعر لکھتا ہے کہ اُسے ابھی تیرگی سے باہر نکلنا ہے۔ گویا ابھی اسے ایمان کی روشنی نہیں ملی۔ اگر یہاں تیرگی سے مراد کفر کے علاوہ کچھ اور ہے تو شاعر کو یہاں صراحت سے کام لینا چاہیے تھا۔ پہلا مصرع یوں ہوتا تو یہ اعتراض جاتا رہتا:

تیرگی کی بھیڑ سے شکرِ خدا میں بچ گیا

یوں یہاں لفظ ''بھیڑ'' بھی حشو ہے۔

اور آگے دیکھیے:

دوسرے سایہ کو کیا دیتی جگہ اپنی جگہ
یہ زمیں سایہ بنی تھی زیرِ پائے مصطفٰےؐ

D:NaatRang-14
File :Makala-4
Final

دونوں مصرعوں میں کیا ربط ہے؟ اور شاعر کیا کہنا چاہتا ہے؟ یہ وہی سمجھے۔ یہ شعر بھی ہے:

مسجد و منبر میں اس کو قید کیوں کرتے ہیں لوگ
گونجتی ہے دونوں عالم میں صدائے مصطفےٰ

شعر کا صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ پیغامِ مصطفیٰ علیہ السلام جو دونوں عالم میں گونجتا ہے، وہ دونوں عالم میں نہ گونجے اس لیے اس کو مسجد کے اندر قید کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یعنی مسجد میں یہ پیغام نہ سنانا چاہیے۔ حالاں کہ شاید شاعر کے دل میں یہ بات رہی ہوگی کہ چاہیے کہ مسجد میں پیغام محدود نہ کریں بلکہ اسے سارے عالم میں پھیلائیں۔ اگر مقصد یہ ہے تو پہلا مصرع یوں ہونا چاہیے تھا:

مسجد و منبر میں کیوں محدود کرتے ہیں اسے

لیکن پھر بھی شعر صفائی بیان سے محروم ہے۔ شعر میں جہاں صراحت کی ضرورت ہو وہاں ابہام یا گنجلک بیان عیب ہے۔ اس میں لفظ ''منبر'' حشو ہے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اپنی کتاب اردو کی نعتیہ شاعری میں کچھ شعرا کے نعتیہ کلام کا انتخاب بھی کیا ہے۔ اس میں ایک کلام عارف عبدالمتین کا لکھا ہوا ہے۔ عارف عبدالمتین صاحب بھی جدیدیت پسند ہیں۔ وہ جدیدیت پسندی جو صرف ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے۔ یہ کلام غزل کے فارم میں ہے۔ یہاں سب سے پہلے وہ پورا کلام نقل کیا جا رہا ہے:

تری حدیث ترے رو بہ رو سناؤں تجھے　　یہ آرزو ہے کبھی آئنہ دکھاؤں تجھے
میں اپنی ذات کا غارِ حرا کروں تعمیر　　بہ صد نیاز و عقیدت وہاں بلاؤں تجھے
مرا وقار بھی تو ہو مری پناہ بھی تو　　میں خود زمیں بنوں آسماں بناؤں تجھے
مرے لیے تو تری یاد بھی محال ہوئی　　کہ یاد کے لیے لازم ہے بھول جاؤں تجھے
غمِ جہاں غمِ جاں اور غمِ ورائے جہاں　　میں کون کون سا زخمِ نہاں دکھاؤں تجھے
برس رہی ہے ترے رُخ کی چاندنی تجھ پر　　قریب آ کہ میں سینے سے بھی لگاؤں تجھے
تو مجھ سے روٹھ مگر روٹھنے سے پہلے بتا　　تو روٹھ جائے تو میں کس طرح مناؤں تجھے
یہ میرا شوق کہ میں تجھ کو برملا دیکھو　　یہ میرا رشک کہ میں خود سے بھی چھپاؤں تجھے

کہاں کہاں مجھے تیرے کرم کی حاجت ہے
تو جانتا ہے تو میں کس لیے بجھاوں تجھے

اوپر کے اشعار میں ردیف کا استعمال بہت نامناسب ہوا ہے۔ ہم نے نعت میں ضمیر کے استعمال پر اپنے پہلے مضمون میں پوری بحث کی ہے۔ مطلعے میں آئنہ دکھانے کا استعمال کیا ہے۔ آئنہ دکھانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والا اپنے چہرے کے عیب کو دیکھ لے۔ ''تری حدیث ترے روبہ رو سناؤں تجھے'' کا کیا مطلب ہے؟ یہ بھی گستاخی آمیز کلمہ ہے۔

شعر نمبر۳ لکھتے وقت یہ سوچنا چاہیے تھا کہ یہ زمین و آسمان بلکہ ساری کائنات جس کے طفیل ہے اور آسمان بھی جس کے علو مرتبہ کے آگے پست ہے شاعر اس کو آسمان بنانا چاہتا ہے:

بدیں عقل و دانش بباید گریست

شعر نمبر۶ میں بے خبری کا اظہار یوں ہے کہ شاعر نے جرأت نازیبا سے کام لیا ہے۔ خود رسولِ اکرم ﷺ جس کو سینے سے لگا لیں تو اس کی قسمت چمک جائے۔ اور یہ آپ کا لطف و کرم اور بے پایاں فضل ہوگا۔ جیسا کہ آپ نے ایک غلام حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سینے سے لگا کر ان کے علو مرتبہ کو ظاہر کر دیا تھا۔ شاعر کو سوچنا چاہیے تھا کہ وہ آقائے دوعالم ﷺ سے خطاب کر رہا ہے:

شعر نمبر۷ میں یوں کہنا کہ ''تو مجھ سے روٹھ'' نعتیہ کلام میں سخت نازیبا ہے۔ یہی حال شعر نمبر۸ کا ہے۔ اشعار نمبر۶، ۷، ۸ خالص تغزل کے اشعار ہیں جو رسولِ اکرم ﷺ کی شان کے منافی ہیں۔

شاعر اگر سورۂ حجرات کی تفسیر پڑھ لیتا تو اسے کچھ اندازہ ہوتا کہ یہاں ادب کو کس طرح مدِنظر رکھنا چاہیے۔

''اللطیف'' کے اسی شمارے میں ایک اور نعتیہ کلام ہے۔ اس کا مقطع یوں ہے:

مرے نوری پیا آمر تو تجھ میں حق کو پاتا ہے
نبی ہے اور علی ہے اور ولی ہے یارسول اللہ

یہاں ایک ہی ذات کو نبی، علی اور ولی سب کہہ دیا۔ اس کی کوئی تاویل بھی کر دی جائے تو ردیف کے استعمال کی طرف توجہ نہ دینے کے سبب اس کی معنویت اوجھل ہوگئی۔ یہاں ردیف سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ ندا التجا کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اس طرح ہے جیسے کسی بے خبر کو آگاہ کر رہے ہوں۔

یہاں یہ مسئلہ قابلِ غور ہے کہ پیر کو نبی، علی، کہنا درست ہوگا کہ نہیں۔ اصل میں بعض وجودی صوفیہ جب مسئلہ وحدۃ الوجود پر بحث کرتے ہیں تو خدا، رسول، فرشتہ اور تمام اشیا کو ایک کر دیتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ پھر وہ تعینات کی بھی بات کرتے ہیں اور اس طرح اس کی تاویل کرتے ہیں۔ مرزا غالب نے اپنے کو خدا کہنے کا طریقہ یوں اختیار کیا۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

یہ وجودی نقطۂ نظر ہے۔ اور اسی نقطۂ نظر سے تاویل کی ہے۔ کبھی یہ بات اس طرح بھی کسی نے کہی کہ اس میں دعویٰ پیدا ہوگیا۔ حسین بن منصور نے اناالحق کہا تو اس میں دعویٰ پیدا ہوگیا۔ لیکن یہ اس کا حال تھا۔ اس لیے خود اس کو تاویل کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر دوسرے بغیر تاویل کے اس دعوے کو تسلیم نہیں کرسکتے۔ فرعون نے بھی دعویٰ کیا لیکن یہ اس کا حال نہ تھا۔ اس لیے ملعون ہوگیا۔

وحدۃ الوجود کے باوجود تعینات میں ہر مرتبہ دوسرے مرتبہ سے الگ ہے۔ اس لیے مولانا جامی نے کہا کہ:

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

اسی نعت میں ایک شعر یوں ہے:

بلا لو سوئے طیبہ اب کہاں تک ہند میں ٹھہروں
مدینہ علم کا تم، در علی ہے یارسول اللہ

شاعر طیبہ اس لیے جانا چاہتا ہے کہ رسول علم کا مدینہ ہیں اور علی علم کا در ہیں۔ یہ دونوں باتیں الگ الگ دونوں مصرعوں میں درست ہیں۔ لیکن دونوں مصرعوں میں کوی ربط نہیں پیدا ہوسکا۔

اس نعت سے صرف ایک شعر اور نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:

ملے جس کو ہو تم اس کو یقیناً مل گیا سب کچھ
خدا اور خلق ساری مل گئی ہے یارسول اللہ

جسے خدا اور رسول مل گیا اُسے دنیا والوں سے وحشت ہوتی ہے۔ اس کا دل مخلوق

سے دُور بھاگتا ہے۔ وہ مخلوق کے درمیان رہ کر بھی ان میں مشغول نہیں ہوتا اور نہ یہ تمنا کرتا ہے کہ مخلوق اس کی حلقہ بگوش ہو۔ یہاں خدا کے ساتھ مخلوق کے ملنے پر اظہارِ شکر کرنا یہ معنی دیتا ہے کہ شاعر کی تمنا یہ دل میں تھی کہ مخلوق بھی اس کی حلقہ بگوش ہوجائے۔ لیکن جس کی یہ تمنا ہوگی اُسے نہ خدا ملے گا نہ رسول۔ وہ خدا سے دُور ہی رہے گا۔ ایک دل میں یہ دو تمنائیں کبھی بارآور نہیں ہوسکتیں۔ مخلوق میں مشغولیت پراگندگیِ خاطر کا سبب ہے۔ حضرت نصیرالدین محمودؒ چراغ دہلوی فرماتے ہیں کہ جس کے پیچھے جتنے علائق ہوں گے اُتنا ہی وہ پراگندہ خاطر اور پریشان رہے گا۔ ان علائق سے پیدا ہونے والے خیالات نماز اور وظائف میں بھی مزاحم ہوں گے۔

نعت لکھنے کا جب تک سلیقہ نہ ہو اور زبان وقلم پر جب تک قدرت نہ ہو اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شاعر اپنے حدود پر اگر خود نظر نہ رکھ سکے تو اس کو اس کی جرأت نہ کرنا چاہیے۔ جدیدیت پسند شاعروں سے بھی گزارش ہے کہ وہ نعت اور مذہبی موضوعات پر اس کو نہ آزمائیں۔ شاعری کا بڑا میدان سامنے ہے۔ دوسرے موضوعات پر جو چاہیں لکھیں، مجھے کوئی تعارض نہ ہوگا۔ نعت لکھنے سے پہلے کم از کم قرآن سے سورۂ حجرات کا ترجمہ پڑھ لیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب کے ادب کی کیا تعلیم دی ہے۔ عرفیؔ جس کی بلندیٔ فکر کا اعتراف بڑے بڑے دانش وروں نے کیا ہے، ایک نعتیہ قصیدہ میں لکھتا ہے:

عرفیؔ مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

''عرفیؔ جلدبازی نہ کر، یہ رہِ نعت ہے۔ اس راہ پر چلنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اس لیے بہت احتیاط سے چل۔''

شایستہ بدست آر کہ بینند دریں شہر
شایستگی جنس چہ بسیار چہ کم را

''یہاں بڑی احتیاط سے وہی زبان و بیان اور مضامین اختیار کر جو نعت کے لائق ہو کیوں کہ یہاں صرف ایسی شائستگی کو دیکھتے ہیں خواہ کم لکھا جائے یا زیادہ۔''

شاعر دوسروں کو زبان عطا کرتا ہے یعنی غیرشاعر کے دل کی بات کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔ مسلمان کے لیے رسول سے

محبت فرض ہے۔ کتنا ہی بے عمل انسان ہو لیکن اپنے آقا و مولیٰ رؤف الرحیم کے نام کو سنتے ہی اس کا دل تعظیم سے جھک جاتا ہے۔ اس کے اندر بھی محبت کا جذبہ کبھی نہ کبھی ضرور پیدا ہوتا ہے۔ لیکن وہ اسے اپنے الفاظ میں ادا نہیں کرسکتا۔ ایسی حالت میں یہ صورت بہت اچھی ہے کہ وہ دوسرے اچھے معتبر شاعروں کے نعتیہ اشعار پڑھ کر اور سن کر اپنے جذبے کی تسکین کا سامان فراہم کرلے۔ ورنہ بزعم خود اگرے اُسے دعوائے شاعری ہو اور نعت کے آداب سے بے خبر ہو یا زبان و بیان کے محاسن و معائب پر نظر نہ رکھنا ہو اور فصاحت و بلاغت کے معانی سے بے خبر ہو تو اس پر علامہ جلال الدین دوّانی کا یہ شعر صادق آئے گا:

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب ابدالدہر بماند

عزیز احسن۔ کراچی

معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

... روٹی کھانے کے متعلق ایک موٹا سا اصول ہے کہ ہر لقمہ اچھی طرح چبا کر کھاؤ، لعاب دہن میں اسے خوب حل ہونے دو تاکہ معدے پر زیادہ بوجھ نہ پڑے اور اس کی غذائیت برقرار رہے... پڑھنے کے لیے بھی یہی موٹا اصول ہے کہ ہر لفظ کو، ہر سطر کو، ہر خیال کو اچھی طرح ذہن میں چباؤ۔ اس کو لعاب میں، جو پڑھنے سے تمھارے دماغ میں پیدا ہوگا، اچھی طرح حل کرو کہ جو کچھ تم نے پڑھا ہے، اچھی طرح ہضم ہوسکے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کے نتائج برے ہوں گے، جس کے لیے تم لکھنے والے کو ذمہ دار نہ ٹھرا سکو گے۔ وہ روٹی جو اچھی طرح چبا کر نہیں کھائی گئی، وہ تمھاری بدہضمی کی ذمہ دار کیسے ہوسکتی ہے۔ (منٹو: تحریری بیان)

تخلیقی وجدان کی باتیں عمومی شاعری کے ضمن میں تو آئے دن ہوتی رہتی ہیں لیکن نعتیہ شاعری کرنے والوں میں یہ مباحث نہ جانے کیوں مقبول نہیں ہیں؟ یہ جملہ پڑھ کر بعض قارئین مجھ پر تجاہلِ عارفانہ کی پھبتی کسیں گے۔ سو میں سچ سچ کیوں نہ کہہ دوں کہ میں نے نعتیہ شاعری کرنے والے لوگوں میں ہیجان پیدا کرنے ہی کے لیے یہ سوال کیا ہے۔ میں بحمداللہ جانتا ہوں کہ ایسے ادق موضوعات پر گفتگو کرنے کا ذوق نعت گو شعرا کی اکثریت میں نہیں ہے۔ نعت گو شعرا کی اکثریت تو محض آمد اور جذبے کے بل پر شاعری کرتی ہے، اسے اس سے کیا غرض کہ جذبے اور آمد کی کنہ جاننے اور اس کی ماہیت سمجھنے کی کوشش کرے؟ لیکن نعت گو شعرا کی علمی مباحث سے یہ لاتعلقی ہی تو نعتیہ شاعری کی ادبی سطح پر قبولیت میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ نعتیہ شاعری چوں کہ بہت بڑی سرکارﷺ میں پیش کی جاتی ہے اس لیے اس شاعری کی تحسین کے لیے قاری کو ایک خاص حد تک معروضی Objective ہونا

چاہیے۔ ہوسکتا ہے شاعر کے تخلیقی خلوص اور جذبے کی صداقت کے اثر سے میرے آنسو چھلک پڑیں لیکن میں اپنی ذاتی کیفیت کے حوالے سے کسی شعر پر اچھا ہونے کا حکم نہیں لگا سکتا بلکہ بڑی دیانتداری سے اس شعر کی تحسین Appreciation سے قبل خود سے چند سوالات کروں گا، مثلاً یہ کہ اس شعر میں جو زبان استعمال ہوئی ہے وہ فصاحت کے معیار پر پوری اتر رہی ہے کہ نہیں؟ شعر کی قراءت سے احساس کے تار جھنجھناتے ہیں یا نہیں؟ شعر میں شعریت کتنی ہے؟ نفسِ مضمون یا شعری متن Poetic Text قرآن و حدیث سے متصادم تو نہیں ہے؟ شاعر کا جذبہ خام تو نہیں ہے؟ شاعر کا تخلیقی وجدان اس کے احساسات سے ہم آہنگ ہے کہ نہیں؟ شعر میں واقعاتی صداقت شعری صداقت اور تخلیقی خلوص ہے کہ نہیں؟ اور یہ کہ شاعر نے اپنی شاعری کے لیے کوئی انفرادی راہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ نہیں؟ میں بڑے خلوص سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ لحنِ داؤدی سے محفلوں میں سنی ہوئی بیشتر نعتیہ شاعری کو میں ادبی سطح پر پرکھنے بیٹھتا ہوں تو مجھے بڑی مایوسی ہوتی ہے۔ آپ مجھے کور ذوق کہہ لیں، لیکن اللہ کے واسطے مجھے غلط نہ سمجھیں قرطاس وقلم کا تقدس قائم کرنے کے لیے اگر نعت کہی جاتی ہے تو نعت کی تحسین کا عمل بھی آبرو مندانہ طریق چاہتا ہے۔ یہاں چاپلوسی اور دل دہی کا محل نہیں، آقائے نامدار سرورِ سروراں علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بارگاہ میں شایانِ شان کلام پیش کرنے کی ترغیب دینے اور معیاری آہنگ اختیار کرنے کا داعیہ پیدا کرنے کا ہے، کیوں کہ بقول حالیؔ:

یاں جنبشِ لب خارج از آہنگ خطا ہے

اب میرا روئے سخن نعت کے علمی ابعاد اور تخلیقی آفاق سے بخوبی آگاہ علما کی طرف ہے جو محفلوں میں غیرمعیاری کلام کی سماعت کو نہ صرف برداشت کرتے ہیں بلکہ اپنی بے ساختہ واہ وا سے ایسے نعتیہ اشعار کی ترویج اور اشاعت کا ذریعہ بھی بنتے ہیں جن اشعار میں زبان، بیان، شعریت، شریعت اور تخلیقی خلوص کی کمی کے باعث اصلاح کی بڑی گنجائش ہوتی ہے۔ یہ تحسین اس وقت تو بڑی ظالمانہ محسوس ہوتی ہے جب کسی ناپختہ شاعر کے نعتیہ مجموعے پر تحریری سند کے طور پر عطا کر دی جائے۔ دل رکھنے کے مواقع زندگی میں بہت سے آتے ہیں لیکن اصابتِ رائے اور دیانت ذوق اتنی سستی چیزیں نہیں ہیں جنھیں دوستیوں پر قربان کر دیا جائے۔

اس ضمن میں سچ کہنے کی جرأت درکار ہوتی ہے۔ تقریظ نویسی بہت اچھی چیز ہے

کہ اس سے فن کے چراغوں کی لو تیز ہوتی ہے لیکن اگر یہی تقریظ نعتیہ شاعری کو شعری اعتبار سے چھوٹا کر دے تو ذرا سوچیے، شاعری کا اعلیٰ ذوق رکھنے والے اس شاعری کو غیر معیاری کہہ کر الگ نہیں رکھ دیں گے، اور نقادانِ فن ایسی شاعری پر تنقیدی رائے کیوں دیں گے؟ (علما کے لیے نہیں عام قاری کے لیے عرض کرنا ہے کہ تنقید، کسی کلام کی معیاری پسندیدگی کے اظہار اور ذوق پر گراں گزرنے والی کسی فنی خامی کی طرف اشارہ کرنے کے عمل کا نام ہے)۔ اور جب نقادانِ ادب اس صنف شریف کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے تو آپ کا یہ شکوہ کہاں تک حق بجانب ہوگا کہ نعت جیسی مقدس صنف کو ناقدینِ فن نے لائقِ اعتنا نہیں سمجھا۔ میں خود ایک عرصے اس بات کا شاکی رہا ہوں کہ نعتیہ شاعری پر تنقیدی رائے دینے کے اہلِ ناقدوں نے تنقیدی عمل سے پہلو تہی کی۔۔ لیکن اب جب کہ میں نے نعت پر چھپنے والی بیشتر کتابیں دیکھ لی ہیں، میری رائے یہ ہے کہ جن کتابوں پر اہلِ علم نے حوصلہ افزائی کے لیے تحسینی کلمات رقم فرمائے ہیں ان میں سے بہت کم کتب ان آرا کا بوجھ سہار سکتی ہیں۔ ایسی قیمتی آرا دیکھ کر دل چاہتا ہے، اے کاش نقادانِ فنِ شعر اپنی رائے دینے سے قبل کتابیں غور سے پڑھنے کی زحمت بھی (ثواب سمجھ کر) گوارا کر لیتے اور کتاب کو سراہنے سے قبل مصف کو پر خلوص مشورہ دیدیتے کہ اپنے کلام کو کسی بزرگ شاعر کو دکھا لیں یا اسقام کی نشان دہی کر کے فرماتے کہ یہ اسقام دور کر لائیں، اور کچھ نہیں تو کم از کم ناموزوں اور شریعت سے صریحاً متصادم اشعار تو نکلوا ہی دیتے۔ لیکن ایسی بہت سی کتب دیکھنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ یا تو نقادانِ فن نعت کی کتابوں کو بڑے خلوص سے شعری رعایت Poetic licence دینے کی طرف مائل ہیں یا نعتیہ شاعری کو ادب کے عمومی دھارے کی شاعری سے فروتر سمجھتے ہیں یا سرے سے اس شاعری کو شاعری ہی نہیں سمجھتے؟ لیکن ایسا بھی نہیں ان ہی لوگوں کے جب اپنے نعتیہ مجموعے چھپتے ہیں تو نک سک سے درست ہوتے ہیں۔تو گویا جو شعری معیار وہ اپنے لیے بناتے ہیں وہ اوروں کے لیے بھاری پتھر سمجھ کر ان سے چھپاتے ہیں۔ اس ضمن میں، میں کیا عرض کروں دینی حوالے تو اس باب میں بڑے سخت ہیں!

آج کل شہرِ سخن میں نعت کا سکہ زیادہ چل رہا ہے۔ یہ مقام شکر ہے۔ لیکن معیارِ سخن کا فقدان اب بھی بہت محسوس ہوتا ہے۔محفلوں میں پڑھی جانے والی نعتیں تو بیشتر غیر معیاری ہوتی ہی ہیں کتابوں میں چھپنے والا بھی بیشتر کلام اصلاح طلب ہوتا ہے۔ حد تو یہ

ہے کہ بعض مستند شعرا کا کلام بھی متنی Textual کم زوریوں سے پاک نہیں ہوتا۔ اور اگر ان کے کلام کے اسقام کی عاجزانہ اور مؤدبانہ انداز سے نشان دہی کردی جائے تو وہ شعرا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ کم از کم نعت کی حد تک تمام شعرا کو بے نفسی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ بارگاہِ نبوی علیٰ صاحبہا میں اپنا نذرانہ شعر پیش کرنے والے کو تو اپنی انا کا خول اتار کر پھینک ہی دینا چاہیے۔ اسی طرح نقادانِ فن کو بھی اپنی PR کا خیال کم از کم نعت کی تحسین کرتے وقت بالائے طاق رکھ دینا چاہیے۔ اس موقع پر ایک واقعہ یاد آگیا۔ ایک نوجوان کے دو مجموعے بیک وقت چھپے، جس میں ہمارے عہد کے معتبر اہلِ قلم کی آرا بھی شامل تھیں۔ کتابیں میں نے بھی پڑھیں اور نعت رنگ میں تبصرہ بھی کیا، لیکن اپنی عادت سے مجبور ہوکر یہ بھی لکھ دیا کہ کتابیں قبل از وقت چھپ گئی ہیں۔ کاش کوئی تقریظ نویس اس نوجوان کو کلام کے اسقام سے بھی آگاہ کردیتا! بعد میں نعت رنگ میں چھپنے والا وہ ورق ہی صاحب کتب کی ناراضگی کے اظہار کے طور پر ایک زہر میں بجھے ہوئے خط کے ہمراہ مدیرِ ''نعت رنگ'' کو واپس مل گیا۔ ظاہر ہے تحسین کے ڈونگرے برسانے والوں نے اس نوجوان میں سچ سننے اور مفید مشورہ ماننے کا حوصلہ ہی ختم کر دیا تھا۔

ایک بات اور ہے جو بڑی اہم بھی ہے اور بہت زیادہ توجہ طلب بھی کہ نعت پر فنی گفتگو کے در واکرنے والوں کو بعض حلقوں کی طرف سے یہ احساس دلانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ پہلے یہ دیکھیں کہ نعت کس کی ہے؟ یہ مسئلہ از خود طے ہوجائے گا کہ چوں کہ نعت گو کوئی بڑے بزرگ ہیں اس لیے نعت ہر اعتبار سے معیاری ہی ہوگی؟ اس میں اگر کچھ فنی اسقام یا شرعی جھول نظر آئے تو اسے قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ کوشش یہ کی جائے کہ کسی تاویل سے وہ کلام معیاری، فہمِ عام سے بلند اور فنی حوالے سے عظیم تر نظر آئے۔ ایسے ہی موقع پر علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

دنیا جانتی اور مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت مانتی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ایمان بڑا پختہ تھا اور وہ صاحبانِ فضیلت ہوئے ہی اس لیے تھے کہ ان کے دلوں میں حضور رسالت مآب ﷺ کی محبت، اپنی جان، اپنی آبرو، اپنے ماں باپ اور اولاد

سے زیادہ تھی۔اس کے با وصف قرآنِ کریم نے ان کی تعلیم کے لیے احکامات دیے۔ حضورﷺ کے سامنے لب کشائی کرو تو راعنا مت کہو بلکہ انظرنا کہو (۱) حضورﷺ کو حجروں کے باہر سے اس طرح مت پکارو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو (۲) حضورﷺ کی آواز سے اپنی آواز پست رکھو (۳) حضورﷺ تمھیں جو دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں رک جاؤ (۴) ان حوالوں سے ثابت ہوا کہ اللہ نیتوں کا حال جانتے ہوئے بھی صحابہ کرامؓ کے عملی مظاہروں اور گفتگو کے قرینوں کی اصلاح کا بندو بست فرمارہا ہے تاکہ شریعت کی حدود قائم رہیں تو ہم پر بھی یہ لازم ہے کہ ہم حضورﷺ سے محبت کرنے والوں کی نیتوں کو ٹٹولنے کے بجائے ظاہر پر حکم لگائیں اور یہ سمجھ کر لگائیں کہ صرف اور صرف آقائے نامدارﷺ کی ذات، بعد از خدا بڑی ہے، اس بارگاہ میں لب کشائی کرنے والے کسی بھی بڑے سے بڑے بزرگ کا مرتبہ یہ نہیں کہ وہ قرآن و سنت سے متصادم کوئی بات حضورﷺ کی محبت میں بھی منھ سے نکالیں۔

کچھ ایسا ہی معاملہ زبان کا ہے کہ یہ کسی معاشرے کا اجتماعی ورثہ ہے اور اس کے اصول اجتماعی شعور میں پیوست ہیں۔ اللہ نے انسان کو خلق کرنے کے بعد خود ہی اس کو بیان سکھایا ہے، اس کے لیے کسی نبی کو بھی مقرر نہیں فرمایا کہ آکر کسی قوم کو زبان سکھائے۔ اس لیے زبان کے اصولوں میں ردو بدل کرنے کا حق بھی صرف ان لوگوں کو مل سکتا ہے جو زبان کی ترویج و اشاعت میں خصوصی درک رکھتے ہوں زبان کے معاملے میں‌تو مذہب کی بھی قید نہیں لگائی جاتی۔ قرآن فہمی کے لیے عہدِ جاہلیت کے لسانی معیارات سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔ ایسی صورت میں کسی بزرگ کی بزرگی کا لحاظ کرکے اجتماعی لسانی کینڈے کو نہیں بدلا جاسکتا۔ چناں چہ لسانی اسقام بھی تنقیدی سان پر چڑھا کر دیکھنے ہوں گے۔ کیوں کہ شعروں کے نذرانے نعت کی صورت میں بحضور سرورِکونینﷺ پیش کیے جاتے ہیں جو دنیا کی فصیح ترین زبان (عربی) کے مروّجہ معیارات کے حوالے سے فرماتے ہیں، ''انا افصح العرب'' (میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح زبان جانتا، سمجھتا اور بولتا ہوں)۔ تو نعت کسی بھی زبان میں ہو اس زبان کے معیاراتِ فصاحت و بلاغت ضرور پیشِ نظر رکھنے ہوں گے۔ اور اگر کسی کے کلام میں زبان و بیان کی بے احتیاطیاں کسی کو نظر آئیں گی تو ان کی نشان دہی کرنا بھی کارِ ثواب ہوگا۔ یہ اگر معیوب بات ہے تو نقادانِ فن کی مجبوری ہے، وہ اس عمل سے باز نہیں

D:Sabhi\NaatRang-14
File :Makala3
Final

آسکتے۔ نعت گو شعرا یا تو اپنی اصلاح کرلیں یا دلائل سے زبان کے نئے اصول بنائیں یا پھر یہ کوچہ ہی خالی کر دیں۔

جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

یہاں اس کی ضمیر کو اُن سے بدل کر ذرا آقائے مدینہ ﷺ کا تصور کیجیے اور یہ سوچیے کہ اگر آپ کو اپنی انا اتنی ہی عزیز ہے کہ آپ ہر میدان میں صرف اپنے آپ ہی کو قابل سمجھتے ہیں تو اس کوچے میں داخل ہونے ہی سے گریز فرمائیں، کیوں کہ یہاں تو جان کی بھی قربانی بڑی چھوٹی سمجھی جاتی ہے آپ انا کی قربانی بھی نہیں دے سکتے۔ ہر کوچے کا قاعدہ کلیہ تو آپ کو اپنانا ہی ہوگا!

ہاں یہ بات بھی گوشِ نصیحت نیوش سے سن رکھیے کہ امتی چاہے کتنی ہی تعریف کیوں نہ کریں حقِ مدحتِ رسول ادا نہیں ہوسکتا یہ الگ بات کہ کوئی شعر بارگاہِ نبوی میں مقبول ہوگیا تو شاعر کو شہرتِ دوام مل سکتی ہے جیسے سعدیؒ، جامیؒ، بوصیریؒ کا مقدر بنی

تو شعر کہنے کی خواہش رکھنے والوں کو بڑے خلوص سے ادبی، لسانی اور دینی سطح پر اپنا مطالعہ کم از کم اتنا تو بڑھانا ہی ہوگا کہ وہ شعر اور بالخصوص نعتیہ شعر کے حسن و قبح سے واقف ہو جائیں، تاکہ حسن پیدا کرنے کی سعی کریں اور معائبِ سخن سے بچنے کی کوشش بھی۔ پھر یہ کہ اس کوچے میں داخل ہونے والوں کو خیال کی پاکیزگی، زبان کی شستگی اور بیان کی فصاحت سے بھی آگاہ ہونا۔ اور شاعری کرنے کے لیے ایسے لمحے کا انتخاب کرنا چاہیے جب ان کا احساس، ان کا جذبہ اور ان کا تخلیقی شعور بالکل اس طرح ہم آہنگ ہوجائیں کہ وہ محسوس کرنے لگیں کہ اگر اب شعر نہیں لکھا گیا تو طبیعت پر بڑا ظلم ہوگا۔ یعنی وہ مکمل طور پر جبرِاندروں Internal Urge کے تابع ہو جائیں۔ اس لمحے میں بھی یہ خیال رہے کہ شعر کہنے کی صلاحیت آورد کی کوشش سے پامال ہوجاتی ہے لہٰذا صرف آمد کے زیرِاثر جو کچھ لکھ سکیں لکھ لیں۔ تخلیقی لمحہ بڑا مختصر ہوتا ہے اس لیے اس لمحے میں ہونے والے اشعار کی قواعد اسی لمحے میں درست کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے ورنہ تخلیقی لمحہ رائیگاں جائے گا۔ اشعار قرطاس پر بکھر جائیں اور تخلیقی لمحہ گزر جائے تو چاہیے کہ اپنے اشعار کو شعریت اور شریعت کی کسوٹی پر پرکھیں اور جہاں کہیں سقم نظر آئے اسے دور کرنے کی کوشش کریں۔ اپنے اشعار بار بار پڑھیں اور ہو سکے تو کسی ادب شناش مخلص دوست کو سنائیں۔ اگر آپ کی انا اجازت دے تو کسی کو

استاد بنا لیں۔ یاد رکھیے شعر فہمی کے معاملے میں ترنم کی دل کشی سے بڑا نقصان ہوتا ہے اس لیے اپنے اشعار پر غور کرتے وقت لحن سے پڑھنا ترک فرما دیں۔ غور فرماتے وقت تو یہ بھی بھول جائیے کہ یہ اشعار آپ کے ہیں۔ بالکل معروضی انداز سے انھیں پڑھیے، اور ممکنہ حد تک اشعار کو سنوارتے جائیے۔ پھر ممکن ہو تو آپ کے پسندیدہ شعرا کے کلام سے ذرا موازنہ بھی کرتے جائیے۔ ہوسکتا ہے آپ کو اپنے اشعار پھیکے لگیں۔ ایسی صورت میں آپ اپنے تخلیقی محرکات پر غور فرماتے رہیے اور دنوں اور مہینوں تک اپنے تخلیق کردہ اشعار کو سنوارتے رہیے۔ پھر آپ بڑے اعتماد سے اپنے اشعار عام کیجیے اور اس مرحلے پر اگر کوئی سخن فہم آپ کو کوئی مشورہ دے تو اس کو غور سے سنیے اور ہوسکے تو اپنے اشعار ایک بار پھر پرکھیے۔ اس طرح یہ عمل ہمہ وقتی عمل ہوگا اور یہ تخلیقی کاوش انتہائی سنجیدہ ہوگی۔

ان کو سوچتے رہنا بھی تو اک عبادت ہے
اور یہ عبادت بھی ہم نے دم بدم کی ہے!
(صبیح رحمانی)

... میں نے کہیں لکھا تھا کہ بیشتر نعت گو شعرا کے نزدیک شاعری کوئی سنجیدہ سرگرمی ہے ہی نہیں۔ اس سے میری مراد یہی تھی لیکن بعض بزرگوں کو میری بات بڑی ناگوار گزری تھی۔ اچھی اور بری شاعری کا فرق جاننے کے لیے شعرا کی ذہنی تربیت کی اشد ضرورت ہے تاکہ وہ نعتیہ شعری میلانات میں ذوق کی تطہیر کا عمل تیز کرسکیں اور نعتیہ شاعری پر ادبی دریچے وا ہو جائیں۔

اب ذرا سوچیے کہ نعت کیا ہے؟ میں یہاں نعت کی روایتی تعریف بیان کرنے کے بجائے ایک دو نکات پر گفتگو کرنا چاہوں گا۔

لفظ نعت میں پہلا حرف ن ہے۔ اس حرف سے نقش کا تصور ابھرتا ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والاصفات اللہ ربّ العزت کی اوّلیں تخلیق ہے، اسی لیے آپ کی ذات پاک کو کائنات کا نقشِ نخستیں بھی کہتے ہیں۔ نقش کی تخلیق نقاش کے ذریعے عمل میں آتی ہے اس لیے اللہ ربّ العزت کی ذاتِ والا تبار نقاشِ حقیقی ٹھہری۔ نقاشِ ازل کا نقشِ اوّلیں ایسا دل کش، پرکشش اور مکمل تھا کہ پھر اس کے بعد جتنے نقش ظہور پذیر ہوئے وہ ہر اعتبار سے اس نقش سے کم درجہ تھے۔ چناں چہ خود نقاشِ ازل نے اس نقش کو معیار بنا کر انسانوں کو حکم

D:Sabhi\NaatRang-14
File :Makala3
Final

دیا کہ وہ اپنی ذات کو اس نقش کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ **لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنہ۔** تحقیق تمھارے لیے رسول اللہ کی ذات میں پیروی کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ اور اسی معیار کے حوالے سے اپنے انعامات کی تقسیم کا نظام بھی برپا فرمایا۔ حضورﷺ کی ذات پاک کا نقش صوری اور معنوی اعتبار سے اس قدر جامع تھا کہ دنیا کا کوئی مصور اس کا عکس نہیں اتار سکتا تھا، چناں چہ تصویر کشی ہی کو معیوب قرار دیا گیا، لیکن ذہنِ انسانی میں نقشِ نخستیں کا پڑنے والا پرتو یا عکس اپنے اپنے طور پر لفظوں میں بیان کرنا اللہ اور رسول اللہ (ﷺ) کے نزدیک مستحسن ٹھہرا۔ چناں چہ شاعری کی اجازت دی گئی بلکہ باصلاحیت شعرا کو تو ترغیب بھی دی گئی کہ نقشِ اوّلیں کا عکس اتارنے کی کوشش کرتے رہیں۔ لفظ نعت میں ع اسی عکس کی طرف اشارہ کر رہا ہے، جو ہر شاعر اپنے اپنے طور پر اتارنے کی کوشش کرتا ہے، اس عکس کو اپنی بھر پور کوشش سے عکس تام یعنی مکمل عکس بنانے کی کوشش کرتا ہے، لیکن مخلوق سے تخلیق اول کے نقش کامل کا عکس بھی پورا نہیں اُتر سکتا۔ چناں چہ آخری حرف ت تام کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو شعرا کے لیے ایک حسرت کے سوا کچھ نہیں۔

چناں چہ لفظ نعت کے حروف پر غور و فکر کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی کہ نعتیہ شاعری نقشِ اوّل کے عکس کو مکمل طور سے لفظوں میں بیان کرنے کی انسانی کوشش ہے۔ نقاش ازل نے تو صورت، سیرت اور پھر اس نقش کے ملفوظی اظہار (قرآنِ کریم) میں اپنی خلاقیت کا بھر پور اور کامل و اکمل نقش بنا دیا ہے۔

ایسی نازک صورتِ حالات میں اگر کوئی شاعر نقشِ ذاتِ نبوی کے کسی ایک رخ کا عکسِ لونی Shade پیش کرنے میں اگر صفر سے ذراسا بھی عددی دنیا کی طرف سفر کرنے میں کامیاب ہو سکے تو یہ اس کے فن کی معراج ہوگی!

ان معروضات کی روشنی میں یہ ناچیز پھر عرض کرے گا کہ للّٰہ نعتیہ شاعری کی نزاکتوں اور فن کے تقاضوں کا خیال رکھتے ہوئے شعرا نعت کہیں۔ سامعین نعت سنیں اور نقادانِ فن شعری جمالیات وضع کرتے ہوئے کسی شاعر کے فن کی حقیقی تحسین کا فریضہ انجام دیں۔ ایسی احتیاط سے مدحِ مصطفیٰ ﷺ کی تخلیق کا عمل، تحسین کا فریضہ اور سماعت کا حق کسی حد تک ادا ہوسکتا ہے۔ اور اس کاوش میں صرف ہونے والا وقت یقیناً قیمتی ٹھہرے گا... ان شاء اللہ!

اس لیے کم از کم شعرا کو تو علامہ اقبال کا یہ مصرعہ حرز جاں بنا لینا چاہیے۔

معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

حوالہ جات

۱۔ آیت ۱۰۴، البقرہ
۲۔ آیت ۲، حجرات
۳۔ آیت ۲، حجرات
۴۔ آیت ۷، حشر

☆

D:Sabhi\NaatRang-14
File :Makala3
Final

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی۔ بھارت

امام احمد رضا کا تصورِ نعت

نعت کی بابت امام احمد رضا فرماتے ہیں:

کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے
سکتے میں پڑی ہے عقل چکر میں گماں آیا

لاریب! نعت کی منزلِ رفیع تک انسانی عقل اور وہم و گمان کی رسائی ممکن نہیں۔ یہ اس کی مدح و ثنا ہے جس کے ذکر کو "ورفعنالک ذکرک" فرما کر خود ربِّ عظیم نے بلند و بالا فرما دیا ہے۔ وہ خود اپنے حبیب لبیب ﷺ کا واصف و مداح ہے پس کسی بھی انسان یا کسی بھی مخلوق خداوندی سے ان کی مدحت کیسے ممکن ہے؟

اِس ضمن میں بھی امام احمد رضا فرماتے ہیں:

اے رضاؔ خود صاحبِ قرآں ہے مداحِ حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

نعت۔ اللہ عزوجل کی سنت ہے اور مومنین کو نبی امی ﷺ کی رفعت شان کے اہتمام اور ان کی عظمت کو سلام کرنے کا وہ حکم بھی دیتا ہے۔ آیت درود اس پر شاہد ہے... "ان اللّٰه و ملئکته یصلون علی النبی یاایها الذین امنو صلو علیه وسلمو تسلیما" (الاحزاب۔۵۶) اللہ اور اس کے فرشتے نبی امی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں یعنی اس کی رفعت شان کا اہتمام کرتے ہیں اور ایمان والوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اس نبی مکرم ﷺ پر درود بھی بھیجیں یعنی اس کی رفعت شان کا اہتمام بھی کریں اور اس کی عظمت کو سلام بھی کریں یعنی اس سے ایسی سلامتی کا عہد لیں کہ زبان و قلم او قلب و جوارح کسی طرح سے بھی اسے کوئی صدمہ نہیں

D: Sabhi\NaatRang-14
File :Makala4
Final

پہنچائیں گے۔ اس کی شان میں گستاخی کا وہم و خیال بھی نہیں لائیں گے۔

نذرانۂ درود و سلام یعنی مصطفیٰ جانِ رحمت کی رفعت شان کا اہتمام ایمان والوں کے لیے لازمی ہے اور اسی سے ان کے مومن ہونے کی پہچان ہے۔

درود شریف کا کوئی بھی صیغہ لے لیجیے اس میں "اللّٰھم صل علی محمدؐ" یا "صلی اللہ علی النبیؐ" وغیرہ کا انداز ضرور ملے گا۔ درود پڑھتے وقت یہ ضرور کہنا ہوگا کہ اے اللہ تو ہی ہمارے آقا محمد عربی ﷺ پر یا ہمارے نبی پر... وغیرہ درود و سلام بھیج۔" گویا بندہ اللہ کے حبیب کی رفعت شان کے اہتمام میں خود اللہ ہی کو وسیلہ بنا رہا ہے اور اس حقیقت کا اظہار کر رہا ہے کہ اے رب تیرے نبی کی توصیف ہمارے بس سے باہر ہے پس تو ہی طرف سے ان کی رفعت شان کا اہتمام فرما... بندہ اپنے عجز کا اظہار کرتا ہے اور اس عجز کے پردے میں نبی کونین ﷺ کی عظمت و رفعت اور ان کی بےنظیری و بے مثالی کا ٹھہرا بھی کرتا ہے۔ بندہ کا عجز اللہ کو بہت پسند ہے۔ یہی عجز بندہ کی بندگی بھی ہے اور حمد الٰہی بھی... اس طرح درود و سلام بھیجنے میں بندۂ مومن ربّ کریم کی حمد کے ساتھ ساتھ اس کے رسول رؤف و رحیم کی مدحت کا حق بھی ادا کر لیتا ہے۔

امام احمد رضا بھی حمد کے پردے میں نعت کا اہتمام کرتے ہیں:

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

نعت وسیلۂ الٰہی کے بغیر ممکن نہیں! نعت گوئی کے لیے قرآن کریم کو رہنما بنانا لازمی ہے۔ امام احمد رضا نے بھی قرآن سے ہی نعت گوئی سیکھی ہے۔ فرماتے ہیں:

قرآں سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے آداب شریعت ملحوظ

یہ کلیہ ہے کہ کسی ذات سے سچی محبت وعقیدت کے بغیر اس کی تعریف و توصیف اور اس کے خصائص و فضائل کا بیان ممکن نہیں! یہاں تو ممدوح و منعوت وہ ہے جس کی محبت کو ہر شے کی محبت پر فوقیت دی گئی ہے۔ انھیں کی محبت اور تعظیم ایمان ہے۔ یہ حقیقت قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔

امام احمد رضا قرآنی آیات اور احادیث کے حوالوں سے رقم طراز ہیں:

(۱) ''مسلمانو! کہو محمد رسول اللہ ﷺ کی تعظیم مدار ایمان و مدارِ نجات و مدار قبول اعمال ہوئی یا نہیں۔ کہو ہوئی اور ضروری ہوئی'' (تمہید ایمان با آیات قرآن) پ۔۲۶/ع۹

(۲) مسلمانو! کہو محمد رسول اللہ ﷺ کو تمام جہان سے زیادہ محبوب رکھنا۔ ایمان و مدارِ نجات ہوا یا نہیں۔ کہو ہوا اور ضرور ہو۔'' (تمہید ایمان با آیات قرآن) سورہ توبہ۔۲۴ و سورہ الاحزاب۔۶ و بخاری و مسلم۔

اور امام احمد رضا مزید فرماتے ہیں:

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

اللہ ربّ العزت اپنے رسول علیہ التحیۃ والثنا کے ادب و احترام کی خود تعلیم دیتا ہے، ان کے اتباع پر اپنی محبت کو موقوف فرماتا ہے۔ (الحجرات۔۴۹ و آل عمران۔۳۱) لہٰذا نبی کونین علیہ السلام کی توصیف اور اظہارِ محبت دائرۂ شریعت ہی میں ہونا چاہیے۔ نعت کی منزل میں قدم قدم پر شریعت کا پہرہ ہے۔

نعت گوئی کے تعلق سے امام احمد رضا فرماتے ہیں:

(۱) ''حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے۔ جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچا جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔''
(''الملفوظ'' مرتبہ مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا رحمۃ اللہ علیہ، حصہ دوم ص۳۹، مطبوعہ میرٹھ)

غزلیہ شاعری کی تو بنیاد ہی عشق کے اظہار پر ہے اور یہاں جذبات و احساسات کی فرضی ستائش اور مبالغہ آرائی پر کوئی پابندی نہیں بلکہ یہی سب اس شاعری کی اصل اور حسن ہے مگر نعتیہ شاعری میں جھوٹی محبت کا اظہار، جذبات و احساسات کی بناوٹی نمائش اور غلو عافیت کی بربادی کے سوا کچھ نہیں۔

اس سلسلے میں یہ واقعہ ملاحظہ ہو:

(۲) ''ایک حافظ صاحب جو امام احمد رضا کے مخلصین میں تھے کچھ کلام بغرض اصلاح سنانے کے لیے حاضر ہوئے۔ اجازت ملنے پر سنانا شروع کیا۔ مضمون کچھ اس طرح کا

تھا کہ اے پیارے رسول اللہ ﷺ آپ کی محبت میں دن رات تڑپتا ہوں۔ کھانا پینا، سونا سب موقوف ہوگیا ہے، کسی وقت مدینہ طیبہ کی یاد دل سے جدا نہیں ہوتی۔ اس پر امام احمد رضا نے فرمایا۔ حافظ صاحب! اگر جو کچھ آپ نے لکھا ہے یہ سب واقعہ ہے تو اس میں شک نہیں کہ آپ کا بہت بڑا مرتبہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی محبت میں آپ فنا ہوچکے ہیں اور اگر محض شاعرانہ مبالغہ ہے تو خیال فرمائیے کہ جھوٹ اور کون سی بارگاہ میں، جنھیں دلوں کے ارادوں، خطروں، قلوب کی خواہشوں اور نیتوں پر اطلاع ہے۔ جن سے اللہ عزوجل نے ماکان ومایکون کا کوئی ذرّہ نہ چھپایا۔ اور اس کے بعد اس قسم کے اشعار کو کٹوا دیا۔" ("حدائق بخشش" حصہ سوم، مرتبہ مولانا محبوب علی خاں) مقدمہ از محبوب علی خاں ص ۸)

(۳) امام احمد رضا حضرت کافی مراد آبادی علیہ الرحمۃ کی نعت گوئی سے کافی متاثر تھے لیکن ان کے یہاں لفظ "رعنا" کے استعمال کو ناروا اور بے جا بتایا اور فرمایا، "مولانا کو اسپر اطلاع نہ ہوئی ورنہ ضرور احتراز فرماتے۔" ("الملفوظ" حصہ دوم، ص ۳۹)

(۴) مشہور شاعر اطہر ہاپوڑی مرحوم نے امام احمد رضا کی خدمت میں ایک نعت ارسال کی تھی جس کا مطلع تھا۔

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمہ لیلیٰ کے سامنے

آپ نے برہم ہوکر فرمایا، "مصرع ثانی منصب رسالت کے فروتر ہے۔ حبیب کبریا ﷺ کو لیلیٰ سے اور گنبد خضرا کو خیمہ لیلیٰ سے تشبیہ دینا سخت بے ادبی ہے اور یوں قلم برداشتہ اصلاح فرمائی:

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرش معلیٰ کے سامنے

(ماہنامہ "انیس" باب ربیع الاوّل ۱۴۰۱ھ ص ۳۰۰)

(۵) ایک صاحب نے امام احمد رضا سے اپنا ایک شعر سننے کی درخواست کی۔ خیال خاطر احباب کے تحت آپ نے انھیں شعر پڑھنے کی اجازت دے دی۔ انھوں نے جیسے ہی مصرع اولیٰ سنایا۔

شانِ یوسف جو گھٹی ہے تو اسی در سے گھٹی ہے

آپ نے شاعر موصوف کو روک دیا اور فرمایا، ''حضورﷺ کسی نبی کی شان گھٹانے کے لیے نہیں بلکہ انبیائے کرام کی عظمت و بزرگی میں چارچاند لگانے کے لیے تشریف لائے تھے۔ مصرع یوں بدل دیا جائے:

شانِ یوسف جو بڑھی ہے تو اسی در سے بڑھی ہے

(ماہنامہ انیس بابت ربیع الاوّل، ۱۴۰۱ھ، ص۱۰۳)

مندرجہ بالا چند تنقیدی نمونوں سے امام احمد رضا کا تصورِ نعت اجاگر ہوتا ہے۔

۱۔ قرآن کریم کی رہنمائی اور شریعت کی پابندی کے بغیر نعت گوئی ممکن نہیں۔

۲۔ حضورﷺ سے عقیدت و محبت کے اظہار میں غلو، لفاظی یا جھوٹی نمائش ہرگز روا نہیں۔ بیان کے لیے صداقت و اصلیت لازمی ہیں۔

۳۔ حضورﷺ سے کسی بھی نبی کا موازنہ نہیں۔ نبی کی شان کو گھٹانا، ان کے لیے منصب نبوت کے فروتر لفظ استعمال کرنا حد درجہ بے ادبی ہے۔

۴۔ حضورﷺ کے تعلق سے عامیانہ یا غزلیہ انداز کی رکیک تشبیہ قطعاً بے ادبی اور گستاخی پر محمول ہیں۔

۵۔ نعت میں ہر ہر لفظ کی تصدیق لازمی ہے۔

امام احمد رضا نے نعت گوئی برائے شاعری نہیں کی ہے بلکہ شریعت کی پاسداری کے لیے کی ہے، سنت الٰہیہ کی پیروی اور حکم مولیٰ تعالیٰ کی تعمیل نیز اپنے آقا علیہ السلام سے اظہارِ وفاداری کے لیے نعت گوئی کی ہے:

پیشہ مرا شاعری نہ دعویٰ مجھ کو　　ہاں شرع کا البتہ ہے جبہ مجھ کو
مولیٰ کی ثنا میں حکم مولیٰ کا خلاف　　لوزینہ میں سیر تو نہ بھایا مجھ کو

☆

حی باقی کرتا ہے جس کی ثنا　　مرتے دم تک اس کی مدحت کیجیے

☆

وہی آنکھ جو ان کا منہ تکے وہی لب کہ محو ہوں نعت کے
وہی سر جو ان کے لیے جھکے وہی دل جو ان پہ نثار ہے

کلام رضاؔ کے مطالعے سے ان کے تصور نعت کے حسب ذیل خطوط سامنے آتے ہیں:

D: Sabhi\NaatRang-14
File :Makala4
Final

۱۔ نعت عقیدت اور عقیدہ دونوں کا مظہر ہے

عقیدت کے اظہار میں محبت بھی داخل ہے اور اظہارِ محبت کے تحت حضورﷺ کے حسن و جمال اور سراپا ان سے منسوب اشیا سے اظہارِ وابستگی نیز سیرت، عظمت اور بزرگی وغیرہ کا بیان بھی شامل ہے۔

نعت میں حضور کے سراپا کے بیان یعنی زلف و خال و خط کے تعلق سے مولوی عبدالحق صاحب لکھتے ہیں:

> نعت کا جو طرز ہمارے شعرا نے اختیار کیا ہوا ہے وہ بہت قابلِ اصلاح ہے۔ ہمارے ہاں شاعری کی بنیاد غزل پر سمجھی گئی ہے جو ایک لحاظ سے کم ترین قسم شعر کی ہے اس لیے تغزل کا رنگ کچھ ایسا جما کہ ہر جگہ جا و بے جا اس کی جھلک نظر آتی ہے۔ بھلا نعت میں زلف و کمر، خال و خط سے کیا تعلق۔
>
> (''چند ہم عصر''، ص۴)

مولوی عبدالحق کا یہ خیال درست نہیں ہے کہ نعت میں زلف و کمر، خط و خال سے کیا تعلق خود قرآن مقدس میں حضور کے رخ انور، زلف معنبر، چشمان مبارک وغیرہ کا بیان موجود ہے۔ والشمس، والضحیٰ، والنجم، والیل وغیرہ اس پر شاہد ہیں۔ ہاں لازمی ہے کہ نبوی شان کے شایان ان کا بیان وقار و متانت اور تقدیسی انداز میں ہو۔

انسان جس سے محبت کرتا ہے اس کی بڑائی بیان کرتا ہے۔ یہاں تو محبوب اور آقا وہ ہے جسے محبوب عظیم نے عظیم بنایا ہے اور جو بعد از خدا بزرگ و برتر ہے، اللہ عزوجل کا رسول اعظم اور حبیب اکبر ہے اور جس کی محبت عین ایمان ہے۔ لہٰذا حضورﷺ کی تمام تر عظمت و بزرگی کا بیان! ان سے عشق و عقیدت ہی کا اظہار ہے۔

قرآن کریم نے تو نبی اکرمﷺ کے اسوۂ حسنہ کو سراہا ہے۔ اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سرکارِ علیہ السلام کے خُلق کو ''خلقة القرآن'' فرمایا ہے۔

صورت و سیرت کے تعلق سے امام احمد رضا فرماتے ہیں:

ترے خُلق کو حق نے عظیم کہا تری خَلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالق حسن ادا کی قسم

عقیدہ یا کسی نقطۂ نظر کے بغیر ادب وجود میں آ ہی نہیں سکتا۔ عصرِ حاضر کے مشہور نقاد ڈاکٹر وزیر آغا نے ادب کی تخلیق کے لیے نقطۂ نظر کو لازمی قرار دیا ہے۔ اسی طرح مسلم علی گڑھ یونی ورسٹی کے سابق پروفیسر سلامت اللہ نے علی گڑھ یونی ورسٹی میگزین میں ادب اور عقیدہ پر بحث کرتے ہوئے ادب کے وجود پذیر ہونے کے لیے عقیدہ کو لازمی قرار دیا ہے۔ ان صاحبانِ علم و فن و ادب کے نظریات سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ مذہبی تقدیسی شاعری بالخصوص نعت کے لیے عقیدہ کا اظہار بدرجۂ اتم لازمی ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ حضور ﷺ کے تعلق سے انھیں عقائد کا بیان کیا جائے جو قرآن و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہیں۔

عقائد کے اظہار میں امام احمد رضا نے مندرجہ ذیل عقائد کا اظہار کیا ہے۔

(۱) عقیدۂ نور، حیات النبی، حاضر و ناظر، علمِ غیب، محبوبیت، وسیلہ و استمداد، شفاعت، اختیارات و تفرقات معراج جسمانی وغیرہ... امام احمد رضا نے حضور ﷺ کے نوری اور بشری دونوں پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔

(۲) حضور ﷺ کے معجزات اور عظمت و رفعت کا بیان مثلاً رحمۃ للعالمینی، انبیا و مرسلین کی سرداری بلکہ کل مخلوقات خداوندی بشمول ملائکہ پر فوقیت وغیرہ۔

(۳) اعدائے دین اور بارگاہ مصطفوی کے گستاخوں کا ردیفی نعت میں طنز و نشتریت کا انداز۔

(۴) آنحضرت ﷺ کی نعت پاک کے حوالے سے بے عمل مسلمانوں کو عمل کی تلقین ان کے اپنے اعمال کے محاسبہ کے ساتھ یعنی مسلم معاشرہ کی اصلاح اور اُمت مسلمہ کو دامنِ مصطفیٰ اور شریعت مطہرہ سے کامل طور پر وابستگی کے لیے۔

اظہارِ عقیدت

محبت رسول ہی ایمان ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

طالب میں ترا، غیر سے ہرگز نہیں کچھ کام
گر دین ہے تو تُو ہے جو ایمان ہے تو تُو ہے

عاشق مصطفیٰ امام احمد رضا کے وجد و شوق اور ذوق فدائیت کا یہ عالم ہے کہ جس سر میں رسول کونین علیہ السلام کا سودا نہ ہو اور جو دل ان کی یاد سے خالی ہو وہ عبث ہے:

دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا

حبیب کے شہر آرزو کی کشش ہے کہ کشاں کشاں ان کے جان و دل اور ہوش و خرد کو محبوب پروردگار کے قدموں پہ ڈال دیتی ہے:

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضؔا سارا تو سامان گیا

عشق رسول ﷺ ان کی جان ہے، وہ ہمہ وقت ولائے احمد میں گم رہنا چاہتے ہیں:

خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا
جان کی اکسیر ہے اُلفت رسول اللہ کی

☆

ایسا گما دے ان کی ولا میں خدا ہمیں
ڈھونڈا کریں پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو

امام احمد رضا حبیب رحمٰن کی ایک ایک ادا پر نثار ہوتے ہیں:

جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی
پھر دکھا دے وہ ادائے گل خنداں ہم کو
عرش جس خوبیٔ رفتار سے پامال ہوا
دو قدم چل کے دکھا سروِ خراماں ہم کو

نبض حیات ڈوبنے کے بعد بھی امام نے اپنے نگارخانۂ دل میں ایسی روشن و تابندہ شمع فروزاں کر رکھی ہے کہ اس معراجِ عشق پر کونین کی ساری عظمتیں قربان ہو جائیں:

لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

امام احمد رضا کے دل دیوانہ و مستانہ کی آخری تمنا بھی کتنی حسین اور قابلِ صد رشک ہے:

یاالٰہی جب رضؔا خواب گراں سے سر اُٹھائے
دولتِ بیدار عشق مصطفٰی کا ساتھ ہو

امام احمد رضا کی فدائیت اپنے پورے شباب پر ہے:

حشر میں کیا کیا مزے وارفتگی کے لوں رضؔا
لوٹ جاؤں پا کے وہ دامانِ عالی ہاتھ میں

اور روزِ محشر امام احمد رضا کی اس آرزو کو ملاحظہ فرمائیے:

کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور　　بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضاؔ　　مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

عشقِ رسول امام احمد رضا کی حیات کا ماحصل ہے، فرماتے ہیں، ''بحمداللہ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم! ایک پر لاالہ الا اللہ اور دوسرے پر محمد رسول اللہ نقش ہوگا۔''

یہ عشق صادق ہی کا کرشمہ ہے کہ نازک سے نازک موڑ پر اس نے آپ کی دست گیری کی اور حدودِ شرع میں ادب و احترام کی سچی راہ دکھائی۔ کتنی ہوشیاری کے ساتھ جذبۂ عشق کا اظہار کیا ہے اور احتیاط کا عالم یہ ہے کہ:

پیش نظر وہ نو بہار سجدہ کو دل ہے بے قرار
روکیے سر کو روکیے ہاں یہی امتحان ہے

☆

اے شوق دل یہ سجدہ گر ان کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجیے کہ سر کو خبر نہ ہو

امام احمد رضا نے اظہارِ محبت کے تحت... یادِ رسول، فراق حبیب خدا، رسول اکرم کے شہر، مدینہ امینہ، ان کے آثار وتبرکات اور ان سے منسوب اشیا سے بھی بے پایاں وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ یہاں زیادہ اشعار نہ پیش کر کے چند اشعار ہی پر اکتفا کیا جا رہا ہے:

تمھاری یاد میں گزری تھی جاگتے شب بھر
چلی نسیم ہوئے بند دیدہ ہائے فلک

☆

ذکر گیسو یاد حق ہے آہ کر
دل میں پیدا لام ہو ہی جائے گا
دل کھول کے خوں رو لے، غم عارض شہ میں
نکلے تو کہیں حسرت خونابہ شدن پھول

☆

سنگ در حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے
جانا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں؟

D: Sabhi\NaatRang-14
File :Makala4
Final

جلوہ فرمائیں رخ دل کی سیاہی مٹ جائے
صبح ہو جائے الٰہی شب تارِ عارض

☆

نامِ مدینہ لے دیا چلنے لگی نسیم خلد
سوزشِ غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی کیوں

☆

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

☆

کعبہ کا نام تک نہ لیا طیبہ ہی کہا
پوچھا اگر کسی نے کہ نہضت کدھر کی ہے

☆

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

حضورﷺ کے حسن و جمال، یکتائی و مسیحائی وغیرہ کے تحت امام احمد رضا کے یہاں متعدد اشعار موجود ہیں۔ انھوں نے اپنے مشہور زمانہ سلام، ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' میں سرکار ابد قرار علیہ التحیۃ والثنا کا جو سراپا لکھا ہے وہ تو شاہکار سراپا ملے ہی۔ اس کے علاوہ بھی مختلف نعتوں میں سرکار کے حسن و جمال کی توصیف کی ہے، مثلاً:

سر تا بہ قدم ہے تن سلطان زمن پھول   لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول

☆

ک گیسو ہ دہن ی ابرو آنکھیں ع ص   کھیعص ان کا ہے چہرہ نور کا

☆

رخ انور کی تجلی جو قمر نے دیکھی   رہ گیا بوسہ دہِ نقشِ کفِ پا ہو کر

☆

مہر کس منھ سے جلوہ داریٔ جاناں کرتا   سایہ کے نام سے بیزار ہے یکتائی دوست

میں تو کیا چیز ہوں خود صاحب قرآں کو شہا لاکھ مصحف سے پسند آئی بہار عارض

☆

واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلھن پھول

☆

وہ گل ہیں لب ہائے نازک ان کے ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل وہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے

امام احمد رضا نے سرکار ابد قرارﷺ کے ہاتھ، گیسو اور ایڑھی کی تعریف میں، ہاتھ میں، گیسو، ایڑیاں ردیفوں سے الگ الگ نعتیں لکھی ہیں، اشعار ملاحظہ کیجیے:

ہے لب عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں سنگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

شیریں مقالی کو ہاتھ کی ردیف میں باندھنا بس خامۂ رضا ہی کمال ہے:

بھینی خوشبو سے مہک جاتی ہیں گلیاں واللہ کیسے پھول میں بسائے ہیں تمھارے گیسو
سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمھارے گیسو

☆

عارض شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں
عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں

☆

دو قمر دو پنجۂ خور، دو ستارے دس ہلال
ان کے تلوے، پنجے ناخن پائے اطہر ایڑیاں

☆

تاجِ روح القدس کے موتی جسے سجدہ کریں
رکھتی ہیں واللہ وہ پاکیزہ گوہر ایڑیاں

سلام میں امام احمد رضا نے مصطفیٰ جانِ رحمتﷺ کے قد مبارک سے لے کر کف پا تک کی تعریف میں جو سراپا بیان کیا ہے اس کا صرف ایک شعر پیش ہے:

خط کی گرد دہن وہ دل آرا پھبن سبزۂ نہر رحمت پہ لاکھوں سلام

بظاہر یہ صورت کی تعریف ہے لیکن اس میں سیرت کا جو حسین پہلو پوشیدہ ہے اسے کوثر نیازی نے

واضح کیا ہے، لکھتے ہیں:

ایک شعر پڑھتا ہوں، میں دعوے سے کہتا ہوں آپ نے کسی زبان کی شاعری میں سرکار ختمی مرتبت ﷺ کی ریش مبارک کی یہ تعریف نہ سنی ہوگی۔ ذرا تصور کیجیے۔ ایک نہر ہے اس کے اردگرد سبزہ ہے، اس سبزے سے نہر کا حسن دوبالا ہوگیا ہے۔ اب نہر کس کو کہا ہے؟ سرکار کے دہن مبارک کو۔ نہر عربی میں دریا کو کہتے ہیں۔ آپ کے دہن مبارک کو نہر رحمت قرار دیا کہ ایک رحمت کا دریا ہے جو اس دہن اقدس سے موجزن ہے۔ ایک فارسی شاعر نے کہا ہے:

نہ رفعت لا بزبان مبارکش ہرگز
مگر با شہد ان لا الہ الا اللہ

آپ کی زبان مبارک سے اشہد ان لا الہ الا اللہ میں جو لا ہے اس کے علاوہ لا یعنی نہیں کا لفظ کبھی نہیں فرمایا گیا۔ شاہ رضاؔ کہتے ہیں:

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

یہ دہن اقدس، یہ نہر رحمت کہ سفر طائف میں پتھروں کی بارش ہوئی، سر مبارک سے خون بہا، نعلین مبارک تک آگیا مگر ہاتھ دعا کو اٹھائے عرض کیا، **اللّٰھم اھد قومی فانھم لایعلمون۔**

اے اللہ! میری قوم کو ہدایت نصیب فرما۔ یہ لوگ نہیں جانتے، علم نہیں رکھتے، میرے مقام اور پیغام سے بے خبر ہیں تو اس دہن اقدس کو نہر رحمت کہا اور ریش مبارک کیا ہے؟ اس نہر رحمت کے اردگرد لہلہانے والا سبزہ جس نے نہر رحمت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ اب شعر ملاحظہ فرمائیے:

خط کی گرد دہن وہ دل آرا پھبن
سبزۂ نہر رحمت پہ لاکھوں سلام

(امام احمد رضا خاں بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت مطبوعہ لاہور، ص۸۔۹)

سیرتِ مصطفیٰ ﷺ اور عظمت و بزرگی کا بیان

(۱) واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا   نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

(۲) فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالہ تیرا　　آپ پیاسوں کے تجسّس میں ہے دریا تیرا
(سیرت) کے تعلق سے پانچ اشعار

(۳) عصائے کلیم تھا اژدہائے غضب　　گروں کا سہارا عصائے محمد ﷺ

(۴) کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا　　اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

(۵) بھائیوں کے لیے ترک پستاں کریں　　دودھ پیتوں کی نصفت پہ لاکھوں سلام

☆

(۱) فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں　　خسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا
(عظمت و بزرگی)

(۲) زہے عزت و اعلائے محمد ﷺ　　کہ ہے عرش حق زیر پائے محمد ﷺ
(اور مقام مصطفیٰ کے تعلق سے)

(۳) حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں　　سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب
(گیارہ اشعار)

(۴) ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ　　لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

(۵) قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی　　چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی

(۶) سب بشارت کی اذاں تھے　　تم اذاں کا مدعا ہو

(۷) ہے لب عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں　　سنگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

☆

(۸) ہر خط کف ہے یہاں اے دست بیضائے کلیم
موجزن دریائے نورِ بے مثالی ہاتھ میں

(۹) کلیم و نجی، مسیح و صفی، خلیل و رضی، رسول و نبی
عتیق و وصی، غنی و علی، ثنا کی زباں تمھارے لیے

(۱۰) خلیل و نجی، مسیح و صفی سبھی سے کہی، کہیں بھی بنی
یہ بے خبری کہ خلق پھری کہاں سے کہاں تمھارے لیے

(۱۱) نماز اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہوں معنی اوّل و آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

D: Sabhi\NaatRang-14
File :Makala4
Final

شعر نمبر۳ سے شعر نمبر۱۱ تک انبیائے کرام کی نسبت سے جو بھی اشعار ہیں ان میں حضورﷺ کی فوقیت کے ساتھ کہیں بھی کسی نبی کی شان میں بے ادبی کا مظاہرہ نہیں ہوا ہے۔ ہر ہر شعر حقیقت پر مبنی ہے۔

معجزات

حضورﷺ کے معجزات میں معراج جسمانی بہت بڑا معجزہ ہے۔ اس پر تو رضؔا کا پورا ''قصیدہ معراجیہ'' ہے۔ قرآن کریم بھی رسول اعظمﷺ کا عظیم تر معجزہ ہے۔

ان کے علاوہ دیگر معجزات نبی پر چند اشعار پیش ہیں ان سے بھی حضور علیہ السلام کی عظمت و رفعت ظاہر ہوتی ہے:

کس ہاتھ کا غم تاب و تواں ٹوٹ گیا
کانپا ید بیضا کہ عصا چھوٹ گیا
جنبش ہوئی کس مہر کی انگلی کو رضؔا
بجلی سی گری شیشہ مہ ٹوٹ گیا

☆

تیری مرضی پا گیا سورج پھرا اُلٹے قدم
تیری انگلی اُٹھی مہ کا کلیجہ چر گیا

☆

میں ترے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ
جن سے ستر کافروں کا دفعتہً منھ پھر گیا

اظہارِ عقائد

ا۔ نور، اصل تکوین عالم، جسم بے سایہ

حضورﷺ اللہ تعالیٰ کے نور سے خلق ہیں، اللہ عزوجل کی مخلوق اوّل بھی ہیں اور اصل تکوین عالم بھی...

وہی نور حق وہی ظل رب، ہے انھیں سے سب، ہے انھیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

☆

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سائے کا سایہ نہ ہوتا ہے سایہ نور کا

امام احمد رضا نے سرکار علیہ السلام کی بشری جہت کو بھی اُجاگر کیا ہے البتہ انھیں سیّدالبشر اور خیرالبشر بتایا ہے اور یہی حقیقت ہے:

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں	ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں	ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

۲۔ حاضر و ناظر، حیات

وہی جلوہ شہر بہ شہر ہے وہی اصل عالم و دہر ہے
وہی لہر ہے وہی بحر ہے وہی پاٹ ہے وہی دھار ہے

☆

انھیں کی بو مایۂ سمن ہے انھیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انھیں سے گلشن مہک رہے ہیں انھیں کی رنگت گلاب میں ہے

☆

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مرے چشمِ عالم سے چھپ جانے والے

۳۔ علمِ غیب

خدا نے کیا تجھ کو آگاہ سب سے
دوعالم میں جو کچھ خفی و جلی ہے

☆

اور کیا غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

D: Sabhi\NaatRang-14
File :Makala4
Final

۴۔ وسیلہ، استمداد، شفاعت

واللہ وہ سن لیں گے فریاد کو پہنچیں گے　　اتنا بھی تو ہو کوئی جو آہ کرے دل سے

☆

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں کوئی اور مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں وہ وہاں نہیں

☆

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمھاری واہ واہ
قرض لیتی ہے گنہ پرہیزگاری واہ واہ

۵۔ رحمۃ للعالمینی، سیّد المرسلینی، خاتمیت

ڈر تھا کہ عصیاں کی سزا اب ہوگی یا روزِ جزا
دی ان کی رحمت نے صدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

☆

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

☆

خلق سے اولیا، اولیا سے رُسل
اور رسولوں سے بالا ہمارا نبی ﷺ

☆

نہ رکھی گل کے جوشِ حسن سے گلشن میں جا باقی
چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغِ رسالت کا

خاتمیت پر یہ شعر کس قدر بلاغت سے پُر اور حسین تر ہے۔

۶۔ اختیارات وتصرفات

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

میری تقدیر بری ہو تو بھلی کر دے کہ ہے
محو و اثبات کے دفتر پہ کروڑا تیرا

۷۔ معراجِ جسمانی

وہ سرورِ کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

☆

وہی ہے اوّل وہی ہے آخر وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن
اس کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

امام احمد رضا نے جو بھی عقیدے پیش کیے ہیں اولاً تو وہ قرآن و سنت سے ظاہر و باہر ہے لیکن امام احمد رضا نے ہر مسئلہ پر الگ الگ کتب و رسائل بھی تصنیف کیے ہیں۔ چند کتب کے اسما قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ نور، اصل تکوین عالم اور سایۂ نفی (رسالۂ نفی، قمر الشمام، نفی الفی)
۲۔ حاضر و ناضر اور حیات (برکات الامرا، حیات الموات، فتاویٰ رضویہ وغیرہ)
۳۔ علمِ غیب (الدولۃ المکیہ)
۴۔ وسیلہ، استمداد، شفاعت (برکات الامداد، سلطنت المصطفیٰ، انوار الانتباہ)
۵۔ رحمۃ للعالمینی، سیّد المرسلینی، شفاعت (تجلی الیقین، اسماع الاربعین)
۶۔ اختیارات و تصرفات (سلطنت المصطفیٰ)
۷۔ معراج جسمانی (جنیہ المنیہ)

طنز و نشتریت

نعت کا آغاز لسانی جہاد کے طور پر شاتمان رسول و گستاخان مصطفیٰ ﷺ کی ہجو اور ان کے رد کے طور پر ہوا تھا۔ گستاخانِ بارگاہِ رسالت کی ہجو اور اس پر طنز شعرائے رسول الثقلین کی سنت ہے اور سنت الٰہیہ بھی۔ قرآن کریم کی سورت تبت یدا۔ نیز یہ آیت کریمہ اشداء علی الکفار و رحماء بینھم اس پر شاہد عدل ہیں۔

D: Sabhi\NaatRang-14
File :Makala4
Final

اشداء علی الکفار ورحماء بینھم کی ترجمانی امام احمد رضا اس طرح کرتے ہیں:

ابر نیساں مومنوں کو تیغ عریاں کفر پر　　جمع ہیں شانِ جمالی و جلالی ہاتھ میں

فرمان رسالت کی اس حقیقت کا کہ ''مومن تلوار سے بھی لڑتا ہے اور زبان سے بھی''
اب کلام مضامین ملاحظہ فرمائیے:

دشمن احمد پہ شدت کیجیے　　ملحدوں کی کیا مروّت کیجیے
مثل فارس زلزلے ہوں نجد میں　　ذکر آیات ولادت کیجیے

☆

کلک رضاؔ ہے خنجر خون خوار　　اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

☆

اور تم پر مرے آقا کی عنایت نہ سہی　　نجدیو کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

☆

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائش مولیٰ کی دھوم
مثل فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے
خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاؔ
دم میں جب تک دم نہیں ذکر اُن کا سناتے جائیں گے

محاسبۂ نفس

امام احمد رضا نے نعت کے حوالے سے نفس کا محاسبہ کیا ہے اور اس حوالے سے اُمت مسلمہ کو اس کی بے عملی اور دین بیزاری کا آئینہ دکھایا ہے۔ مسلمان نفس سرکش کے دام فریب میں گرفتار ہے۔ اسے نہ خوفِ الٰہی ہے نہ ہی شرمِ رسالت پناہی۔ ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے چند اشعار دیکھیے:

ہم کو بد کر وہی کرنا جس سے
دوست بیزار ہے کیا ہوتا ہے
نفس پر زور کا زور اور وہ دل
زیر ہے زار ہے کیا ہوتا ہے

پھر اپنے مسیحا سے جو جان مسیح ہیں فریاد کرتے ہیں:

تیرے بیمار کو میرے عیسٰی　　غش لگاتا رہے کیا ہوتا ہے

دوسری نعت میں نفس کا محاسبہ فرماتے ہیں:

فریاد ہے نفس کی بدی سے　　اللہ اللہ کے نبی سے
لاج آئی نہ ذرّوں کی ہنسی سے　　دن بھر کھیلوں میں خاک اُڑائی
تاروں نے ہزار دانت پیسے　　شب بھر سونے ہی سے غرض تھی

جہاں بھی مصطفیٰ جانِ رحمت سے فریاد کرتے ہیں:

فریاد ہے خضر ہاشمی سے　　رہزن نے لوٹ لی کمائی

تیسری نعت کے چند اشعار دیکھیے:

دن لہو میں کھونا تجھے شب صبح تک سونا تجھے
شرم نبی خوف خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
رزقِ خدا کھایا کیا فرمانِ حق ٹالا کیا
شکر کرم، ترسِ سزا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

امام احمد رضا کی ایک بہت ہی مشہور نعت ہے جس کا مطلع ہے:

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

یہ نعت ۱۵ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کی بابت پاکستان کے مشہور محقق و نقاد ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں لکھتے ہیں:

ان کی ایک غزل محسابۂ نفس کے لیے ہے اور ایسی مرصع ہے کہ جدید اردو شاعری بھی اس پر ناز کرے گی...

(جہانِ رضا، مرتبہ مرید احمد چشتی، مطبوعہ لاہور)

چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

آنکھ سے کاجل صاف چرا لیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گھڑی تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے
سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے
یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر دم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے

D: Sabhi\NaatRang-14
File :Makala4
Final

دنیا کو تو کیا جانے یہ بس کی گانٹھ ہے حرافہ
صورت دیکھو ظالم کی تو کیسی بھولی بھالی ہے

یہاں بھی حضورﷺ سے فریاد کرتے ہیں:

تم تو چاند عرب کے ہو پیارے تم تو عجم کے سورج ہو
دیکھو مجھ بے کس پر سب نے کیسی آفت ڈھالی ہے

امام احمد رضا نے تطہیر ذات اور نفس کی پاکیزگی کے لیے درود و سلام بھی لکھے ہیں۔ ان کے ذریعے حصولِ ثواب اور نبی مکرم ﷺ سے عقیدت و محبت کے اظہار کے حوالے سے آپ کی شفاعت بھی طلب کی ہے۔

رضا کا سلام... "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" تو مشہور زمانہ ہے۔ یہ سلام ہر شب و روز پوری دنیا میں پڑھا جاتا ہے... اس سلام کو مولانا کوثر نیازی نے اردو کا قصیدہ بردہ کہا ہے یہاں تک کہا ہے کہ پوری اردو شاعری ایک پلڑے پر اور یہ سلام دوسرے پلڑے پر رکھ دیا جائے تو اسی کا پلڑا بھاری رہے گا۔"

("ایک ہمہ جہت شخصیت" ص ۸، مطبوعہ لاہور)

اس سلام کے لیے اگر یہ کہا جائے کہ جس طرح ہر ملک کا اپنا ایک قومی ترانہ (National Rethem) ہوتا ہے اسی طرح یہ عالم کے مسلمانوں کا قومی ترانہ ہے۔

امام احمد رضا نے ایک درود بھی لکھا ہے، مطلع ہے:

کعبہ کے بدرالدجیٰ تم پہ کروروں داور
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پر کروروں رود

یہ بھی سلام ہی کی ایک شکل ہے۔ یہ پورا سلام صفت لزوم مالایلزام میں ہے اور اس کا مصرعۂ اوّل صفت دو قافتین میں ہے۔ مصرعۂ اوّل میں امام احمد رضا نے التزام یہ رکھا ہے کہ مصرع ذوقافتین کہا ہے اور مصرعۂ اوّل میں قافیہ باعتبار حروف ہجا رکھا ہے۔

امام احمد رضا... اُمت مسلمہ کو نبوی وفاداری کا پیغام بھی دیتے ہیں:

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے　　پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا
ٹھوکریں کھاتے پھروگے ان کے در پر پڑرہو　　قافلہ تو اے رضاؔ اوّل گیا آخر گیا

خلاصۂ کلام

امام احمد رضا کے تنقیدی اشاروں اور ان کے کلام کے جائزے سے اُن کا ''تصورِ نعت'' اس طرح ہے:

۱۔ قرآن کریم کی رہنمائی اور شریعت کی پابندی کے بغیر نعت گوئی ممکن نہیں!
۲۔ نعت عقیدت و عقیدے دونوں کا مظہر ہے۔
۳۔ حضور ﷺ سے عقیدت اور محبت کے اظہار میں غلو، لفاظی یا جھوٹی نمائش ہرگز روا نہیں۔
۴۔ حضور ﷺ سے اظہارِ محبت کے تحت ان کے ظاہری جمال و باطنی جمال دونوں کا ذکر ہونا چاہیے۔
۵۔ حضور علیہ السلام کے تعلق سے عامیانہ یا غزلیہ انداز کی رکیک تشبیہ قطعاً بے ادبی اور گستاخی پر محمول ہیں۔
۶۔ حضور ﷺ کے ساتھ دیگر انبیا کے تذکرے میں کسی نبی کی شان کو گھٹانا، ان کے لیے منصب نبوت کے فروتر لفظ استعمال کرنا حد درجہ بے ادبی ہے۔
۷۔ نعت میں جذبہ و خیال کی پاکیزگی کے ساتھ ہر ہر لفظ کی تقدیس لازمی ہے۔
۸۔ نبی اکرم ﷺ سے منسوب ہر شے، مثلاً ان کے نعلین پاک، موئے مبارک، آثار و تبرکات اور ان کے دیار و در و شہر وغیرہ کا بیان انھیں سے محبت کا اظہار ہے۔
۹۔ نعت کے حوالے سے محاسبۂ نفس، معاشرہ کی اصلاح اور اُمت مسلمہ کو دعوت و پیغام بالخصوص حضور ﷺ کا ہو کر رہنے کا پیغام نعت ہے کا حصہ ہیں۔
۱۰۔ اعدائے دین کی تردید و ہجو اور گستاخانِ رسول پر طنز بھی نعت کا حصہ ہے۔

امام احمد رضا کی نعت گوئی برائے شاعری نہیں ہے بلکہ شریعت کی پاسداری کے لیے ہے، مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی عظمت و عصمت و ناموس کے دفاع اور ان کی بزرگی و برتری اور رفعت کے اظہار کے لیے ہے... یہ تو: جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے... کے شعلے ہیں جو بے اختیار بھڑک اُٹھتے ہیں... یہ تپتے دل کی بھاپ ہے جو کبھی آنکھوں سے جلوہ فرما ہوتی ہے تو کبھی نوک قلم سے بساطِ دین و ایمان پر گہر ریز ہوتی ہے۔

نعت گوئی امام احمد رضا کے لیے شوقِ قافیہ پیائی نہیں بلکہ روحانی واردات ہے...آپ کی نعتوں میں آپ کا دل دھڑکتا ہوا محسوس ہوتا ہے...آپ کی شاعری پر قرآنی ادب کا سایہ ہے۔

امام احمد رضا کی داخلی کیفیات اور حب رسول کا والہانہ پن ان کی شاعری کا جوہر ہے۔ ان کی تبحر علمی، شعری حرکیت، تخلیقی استعداد، صفت گری اور زورِ بیان نے اس جوہر کو انگیز کرکے ان کی شاعری کو چار چاند لگایا ہے۔

تمام تر نقلی اور عقلی علوم و فنون میں منتہا ہونے کے باوصف امام احمد رضا جب اپنے ممدوح، اپنے آقا کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو کورا کاغذ لے کر حاضر ہوتے ہیں اور اُدھر سے جو اشارہ ہوتا ہے وہی صفات قرطاس پر نقش ہو کر اشعار کا رُوپ دھار لیتے ہیں۔

مگر جو ہاتف غیبی مجھے بتاتا ہے
زبان تک لاتا ہوں میں بمدح حضور

امام احمد رضا نے قرآن سے نعت گوئی سیکھی ہے۔ انھوں نے نعت لکھنے کے لیے اس طرح طلب ظاہر کی ہے:

طوبیٰ میں جو سب سے اونچی نازک نکلی میری شاخ
نعت نبی لکھنے کو مانگوں روح قدس سے ایسی شاخ

اس لیے ان کے جذب و خیال و الفاظ ہر ایک تقدیس سے گندھے ہوئے ہیں... ان کا کلام شرعی گرفت اور فنی، ادبی، عروض وغیرہ ہر نقص و خامی سے پاک ہے۔

ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں:

> حسن و دل آویزی، سوز و گداز اور اخلاص و شیفتگی کے عناصر نے ان کے نعتیہ اشعار کو کیف اور تاثیر کے اس مرتبہ پر پہنچا دیا ہے جہاں بہت کم نعت گو پہنچتے ہیں۔
>
> اس وارفتگی اور شیفتگی کے باوجود مولانا نے نعت گوئی میں آدابِ شرعیہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے۔ حضور اکرم ﷺ وفورِ عقیدت اور فرطِ محبت میں انھوں نے الوہیت اور نبوت کے فرق کو کہیں گڈمڈ نہیں ہونے دیا۔
>
> (''اردو میں نعت گوئی''، ص۴۱۹)

ماخذ و مراجع

۱۔ قرآن کریم
۲۔ حدیث مسلم و بخاری

۳۔ ''حدائق بخشش'' ہر سہ حصص از امام احمد رضا
۴۔ ''الملفوظ'' حصہ دوم (ملفوظات رضا مرتبہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں)
۵۔ ''تمہید ایمان'' با آیات قرآن از امام احمد رضا
۶۔ ماہنامہ ''انیس'' لائل پور
۷۔ ''ایک ہم جہت شخصیت'' از مولانا کوثر نیازی
۸۔ ''اردو میں نعت گوئی'' از ڈاکٹر ریاض مجید
۹۔ ''چند ہم عصر'' از مولوی عبدالحق
۱۰۔ ''جہانِ رضا'' از مرید احمد چشتی

ڈاکٹر عاصی کرنالی۔ ملتان

جنوبی پنجاب میں اردو نعت گوئی کا پچاس سالہ جائزہ

ہم پہلے تو اس امر کی وضاحت کر دیں کہ جائزے میں جنوبی پنجاب کی تخصیص کیوں؟ یہ وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ شاید بعض ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہو کہ اس موضوع سے ''علاقائیت'' کو ابھارا جانا مقصود ہے اور اس میں احساس تقابل یا اعلان برتری مضمون نگار کا مقصد و منشا ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ اس تحدید سے محض اتنی مراد ہے کہ اس طرح ''ارتکاز'' کے سبب زیادہ وضاحت کے ساتھ اہل قلم کا ذکر ہو سکتا ہے جب کہ کسی ادبی موضوع کو عالمی اور آفاقی تناظر میں پھیلانے کے باعث بہ کثرت اہل قلم کا ذکر اختصار و اجمال ہی سے ممکن ہے۔ بلکہ ہمارے خیال میں کسی علاقے کے علاوہ کسی شہر یا تحصیل و ضلع کے دائرے میں ادبی کاوشوں کا ذکر اپنا یہ جواز رکھتا ہے کہ ارتکازِ مزید سے زیادہ تفصیل و توضیح کے ساتھ اہل قلم کا ذکر ہو سکے گا۔ بعض اوقات اس تخصیص و تعین سے کسی علاقے کی اپنی سماجی، تمدنی، تہذیبی اور ثقافتی خصوصیات کا بھی جائزہ لپیٹ میں آسکتا ہے جس کا کوئی colour عکس یا نقش وہاں کے اہل قلم کی تحریروں پر اثر انداز ہوا ہو۔ مختصر یہ کہ ہمارے نزدیک یہ امر کسی بنیاد پر بھی کسی تشکیک یا ظن و تخمین کو جنم نہیں دیتا۔ ایسی روش برتی گئی ہے اور جاری ہے۔

جنوبی پنجاب سے عموماً ملتان، ڈیرہ غازی خان اور بہاولپور کے ڈویژن مراد لیے جاتے ہیں۔ اس علاقے میں عموماً زبان سرائیکی یا اس کے مختلف لہجے ہیں۔ اس کے علاوہ اردو اور پنجابی زبانیں بھی سمجھی اور بولی جاتی ہیں۔ یہاں ادوار قدیم میں فارسی زبان کا بڑا دخل رہا

ہے اور مختلف علمی و ادبی موضوعات کے رسائل و کتب بالعموم فارسی زبان ہی میں لکھی گئی ہیں۔اس علاقے کا دینی اور تہذیبی مزاج بالعموم صوفیانہ ہے اور علاقے کی جغرافیائی ساخت کے اعتبار سے غور وفکر پر رومانی رویہ بھی غالب رہا ہے۔

جہاں تک نعت رسول ﷺ کا موضوع ہے یہ موضوع زیادہ تر عرب کے حوالوں اور تلازموں کے ساتھ ہی ابھرتا اور پھیلتا رہا ہے۔ اس موضوع کے مضامین کا تنوع بالعموم عرب ہی کے دینی، جغرافیائی، تاریخ اور تہذیبی سازو سامان کے ساتھ نعت گوئی کو آراستہ کرتا رہا ہے۔ حضور ﷺ کی بعثت عرب میں ہوئی۔ وہیں حضور ﷺ کی تعلیمات و ارشادات کی روشنی پھیلی۔ وہیں حیات طیبہ بسر ہوئی۔ حضور ﷺ کی سیرتِ مقدسہ کے آثار و برکات نے انھی فضاؤں کو معطر و منور کیا۔ آپ کی زندگی کے تمام احوال و واقعات اسی ارض مکرمہ و مدینہ منورہ سے وابستہ رہے۔ اس لیے نعت کے مضامین کی تمام تر تنوع کاری وہیں کی مرہونِ منت ہے۔ پھر اس بہارستان کائنات کی تجلیات و برکات نے تمام کائنات کو اپنے دامن میں لے لیا اور حضور ﷺ کی سیرتِ مبارکہ اسوۂ حسنہ اور تعلیماتِ ہدایت سے تمام عالمِ انسانیت فیض یاب ہوا۔

لیکن نعت گوئی کا اساسی مواد وہی رہا البتہ عرب سے باہر آکر نعت گوئی زبان عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں ہوئی اور ہر جگہ کا اتنا ہی مقامی اثر قبول کیا جتنا اس کے اساسی مواد میں جذب ہونا ممکن تھا۔ اس میں اپنے اپنے علم و ادب کے مطابق لفظیاتی، اسلوبیاتی، غنائی (عروضی) اور فنی فوائد و مطالبات یقیناً شامل ہوئے لیکن نعت کا معنوی مزاج وہی رہا۔ ہر دور کے عصری مسائل، مقتضیات کا اضافہ ہوا جو لازمی امر تھا اور نعت کی شخصی اجتماعی وجدانی فکری صوفیانہ فلسفیانہ تقسیمات بھی ہوتی ہیں اور یہ عمل جاری ہے لیکن نعت اپنے حقیقی اور معنوی مرکز سے پوری طرح وابستہ رہی اس لیے کہ یہ مرکز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ گرامی ہے۔

تمہید طویل ہوگئی لیکن اس لیے ضروری تھی کہ شروع ہی میں یہ واضح کر دیا جائے کہ جنوبی پنجاب کی نعت گوئی کا انھی شرائط و حدود میں مطالعہ کیا جانا چاہیے۔

جنوبی پنجاب میں حمد و نعت اور دینی شاعری عہد ہائے قدیم سے جاری تھی۔ یہ علاقہ صوفیائے عظام کا مولد و مسکن یا قیام گاہ رہا ہے اس لیے یہاں کی سوچ اور اظہار میں

متصوفانہ طرز سرایت کیے رہی اور اس روش کی برکت یہ رہی کہ یہاں کا معاشرہ مذہبی اقدار کا گہوارہ رہا اور ادب کے وسیلے سے اخلاقیات کا درس پھیلتا رہا۔ اس طرح علاقے کی جغرافیائی ساخت کے سبب یہاں کے باشندوں کو مناظر و مظاہر قدرت کے وسیع مشاہدات کا شرف حاصل رہا اس لیے یہاں کے ادب میں رومانی رویہ بھی پایا جاتا ہے جس کا ایک سرا تعلق باللہ سے جا ملتا ہے اور دوسرا سرا عام ''انسانی محبت'' سے۔ اس صوفیانہ اور رومانی فضا کا فائدہ یہ ہوا کہ یہاں کا ادب جذباتی صداقت اور فکری راست روی کے ساتھ وجود میں آتا رہا۔ عہد قدیم کے ادب کا لسانی وسیلہ اظہار فارسی رہا۔ بعد میں سرائیکی زبان میں ادب معرض تخلیق میں آنا شروع ہوا۔ پھر اردو زبان ایک قومی ذریعہ اظہار بن گئی۔ حتیٰ کہ جنوبی پنجاب کے ادبا اور شعرا نے سرائیکی کے ساتھ ساتھ اردو میں بکثرت لکھنا شروع کیا۔ پھر یوں بھی ہوا کہ اس علاقے میں آنکھ کھولنے والے بے شمار اہل قلم نے اپنی زبان کے بجائے اردو ہی میں مسلسل لکھا اور یہی زبان ملکی اور عالمی سطح پر ان کے تشخص اور شناخت کا وسیلہ بنی۔ یہ سارا عمل محبت کی بنا پر ہوا وہ محبت جو علاقائی اور لسانیاتی اختلافات کی سطح سے بلند، انسان میں ایک ''الوہی برکت'' ہے۔

عربی نعت اپنے موضوع اور اساسی مواد کے ساتھ فارسی روایت کے سانچے میں ڈھل کر ہم تک پہنچی۔ فارسی نعت گوؤں کا طرز احساس اور طرز اظہار، ان کے تخلیقی ذخیرے اور تجربے ہمارے پیش نظر رہے۔ اس کے بہت سے دینی، تاریخی اور تہذیبی اسباب و عوامل ہیں۔ ''فارسیت'' سے اردو نعت کی یہ وابستگی جاری ہے اور جاری رہے گی۔ اگرچہ لوکل ٹچ اور عصری تقاضوں اور مسائل کی آمیزش کے سبب ہماری نعت گوئی میں آرائش و پیرائش کا عمل بھی جاری ہے۔ یہاں اس امر پر تفصیل سے بات کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ہم نے اپنے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے ''اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر'' میں اس کا بھرپور مفصل اور آغاز سے ۲۰۰۰ء تک مکمل جائزہ پیش کیا ہے۔

اب ہم اپنے اصل موضوع پر آتے ہیں:

تشکیل پاکستان کے بعد اس سے قریبی عہد میں یہاں مشاعرے ہوتے تھے جو نظم و غزل تک محدود تھے۔ پروگرام کے آغاز میں تلاوت قرآن کے بعد تبرکاً نعت پڑھتے تھے یا پھر محافل سیرت اور محافل میلاد کا اہتمام ہوتا تھا جن میں تقاریر کے علاوہ نعت خوانی بھی

D:NaatRang-14
File :Makala5
Final

ہوتی تھی۔ بعد میں خالص نعتیہ مشاعرے بھی ہونے لگے۔ یہ یا تو غیرطرحی ہوتے تھے یا مصرع طرح کی پابندی ہوتی تھی۔ اس سلسلے میں نعتیہ تنظیمیں بھی وجود میں آنے لگیں جو خالصتاً نعتیہ مشاعرے کا اہتمام کرتی تھیں۔ پھر ایسے مشاعروں میں توسیع یا تنوع کی صورتیں پیدا ہونے لگیں۔ ایسے مشاعرے عمومی ہونے کے علاوہ خصوصی انداز میں بھی ہونے لگے۔ درس گاہ ہوں کی مختلف سطحوں تک یعنی مدارس کالجوں یونیورسیٹوں میں مختلف محکموں کے زیراہتمام ان میں نعت خوانی کے مقابلے بھی منعقد ہونے لگے جن میں یا تو نعت خوانوں کے گروہ یا مدارس کے طلبہ شرکت کرتے ایسے مقابلہ ہائے حسن نعت میں انعامات و اسناد بھی دی جانے لگیں۔

نعت خواں ٹولیاں بھی تشکیل پانے لگیں جن سے نعت خوانی کے فن کو فروغ ملا۔ نعت سرائی کی تربیت کے لیے ''اکادمیاں'' تشکیل دی گئیں جہاں لحن کے ساتھ نعت سرائی کے آداب سکھانے کا اہتمام ہوا۔

جنوبی پنجاب میں فروغ نعت کا ایک قوی محرک اس وقت وجود میں آیا جب ملتان اور بہاولپور میں ریڈیو اسٹیشن قائم ہوئے۔ جنھوں نے نعتیہ مشاعروں، مذاکروں، تقاریر اور نعتیہ کتب پر تبصروں کا اہتمام کیا۔ ابھی یعنی تادم تحریر جنوبی پنجاب کو ٹی وی اسٹیشن کا وسیلہ ابلاغ دستیاب نہیں ہوا۔ چناں چہ ابلاغ و نشر حمد و نعت کی تمام تر ذمہ داری انہی نشریاتی اداروں پر ہے۔ اخبارات کا آغاز ہوا اور ان کی تعداد بڑھنے لگی۔ وہ اپنے ادبی ایڈیشنوں میں نعتیہ کلام کی اشاعت بھی کرنے لگے یا کبھی کبھار حمد و نعت پر مقالے بھی شائع ہونے لگے۔ یہاں کے دو اخبارات ''نوائے وقت'' اور ''خبریں'' نے دو نعتیہ مشاعرے بھی منعقد کر ڈالے جن میں جنوبی پنجاب کے تقریباً اسی نوے شعرائے نعت گو نے شرکت کی۔ یہاں کے رسائل و جرائد کی تعداد نسبتاً کم ہے تاہم ان کے یہاں حمد و نعت بھی شامل اشاعت ہوتی ہے۔ بزرگان دین اور صوفیائے کرام کے عرس کے مواقع پر نعتیہ مشاعروں کا انعقاد دیا قوالی کی محافل بھی اس علاقے میں فروغ نعت کا ایک اہم محرک ہیں۔ جنوبی پنجاب کے اہل قلم اور دانش وروں کی رسائی پاکستان کے اہم ابلاغی مراکز تک بقدر قلیل ہوتی ہے اس لیے ان ریڈیو سٹیشنوں ٹی وی اسٹیشنوں اور کانفرنسوں میں یہاں کی نمائندگی نمایاں نہیں۔ تاہم یہاں کے بعض دانش وروں اور شعرا نے ملکی اور قومی سطح پر انعامات و ایوارڈز حتیٰ کہ صدارتی ایوارڈز بھی حاصل کیے ہیں

لیکن پذیرائی اور نمو داری کا یہ عمل ہنوز جنوبی پنجاب کے لیے زیادہ لائق افتخار نہیں ہے۔

اب ہم جنوبی پنجاب کی نعت گوئی کے سلسلے میں ان کے زیر استعمال اصناف اور ہیئتوں اور دوسرے متعلقات کا ذکر کرتے ہیں۔ زیادہ تر یہاں غزلیہ ہیئت ہی میں نعت گوئی کا رواج ہے۔ پابند نظم اور آزاد، معرا اور نثری نظم کی صورتیں بھی متحمل ہیں۔ قصیدہ، مثنوی، رباعی قطعہ دوہا، ثلاثی، مستزاد، ہائیکو، ماہیا، سانیٹ کے فنی تجربے جاری ہیں۔ کافی کا اتباع یا ہیر کی بحر کا رواج بھی نظر آتا ہے۔

سلام منقبت اور مرثیے میں جزوی حمد و نعت ہوتی ہے۔ بالعموم دیوان یا شعری مجموعے کے آغاز میں (قدیم روش ہی کی طرح) حمد و نعت کا التزام ہے۔ طویل اور مسلسل نعت جو قصیدے یا مثنوی کی متقاضی ہے کمیاب ہے۔ فارسی نعت گوئی کی تتبع میں اردو کے ادوارِ قدیم میں جو شمائل نامے میلاد نامے وفات نامے، معجزات نامے، غزوات نامے اور معراج نامے وجود میں آئے۔ اب وہ نہیں لکھے جارہے ہیں۔ یعنی کسی بھی شکل میں ''طول نویسی'' کا رواج نہیں۔ البتہ کسی واقع یا مناظر و مقامات کے تلازمے سے نعت مسلسل کا رواج ہے جیسے حرمین شریفین کے سفر کا مسلسل بیان۔ نعت گوئی ایک رخ سیرت نگاری بھی ہے۔ حضور ﷺ کے کسی اسوہ حسنہ کا بیان یا حضور کی سیرت طیبہ اور حیات مقدسہ کے چند اجزا و کیفیات کا بیانِ مسلسل۔

جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ''افکار و مضامین کے اعتبار سے نعت کو انواع میں تقسیم کیا گیا۔ کہیں صوفیانہ انداز کہیں فلسفیانہ طرز کہیں ذاتی و شخصی جذبات جن میں مہجوری، مشتاقی، آرزومندی، حاضری کی تمنا، حاضری کی کیفیات، مناظر، حاضری کے بعد مراجعت اور بار بار حاضری کی آرزو اسی سیاق میں نعت مسلسل جس میں کسی ایک کیفیت کا تواتر سے اظہار کہیں اجتماعی انداز، جس میں اُمت کے مسائل و احوال کا ذکر، آشوب نگاری، استغاثہ وغیرہ۔

انہی نعتوں کے مضامین میں حضور ﷺ کے مراتب و فضائل اور مکارمِ اخلاق کا بیان ''حیات طیبہ اور سیرت کا ملہ کا ذکر۔ حضور ﷺ کے ارشادات ''احکام'' اور تعلیمات کی تبلیغ۔ حضور ﷺ سے عشق و محبت اور حضور ﷺ کی اطاعت و وابستگی کے مضامین حضور ﷺ کی رحمۃ للعالمین اور شفاعت کا ذکر حضور ﷺ کو نہ صرف پیغمبر اسلام بلکہ پیغمبر انسانیت اور ہادیٔ کائنات کے طور پر پیش کرنا اور اس امر کا بیان کہ انسانیت کی فوز و فلاح اور دنیا میں امن و

D:NaatRang-14
File :Makala5
Final

سلامتی کا دارو مدار حضورﷺ ہی کے اتباع میں پوشیدہ ہے۔ نعت کو اس طرح لکھنا کہ وہ سیرت نگاری کی حدود میں داخل ہو جائے۔ روایت کی خوشبو کے ساتھ ساتھ عصریت کے رنگ سے خوش رنگ نعتوں کی تخلیق۔ یہ سارے تلازمات التزامات اپنی جگہ زیر استعمال رہے ہیں اور رہیں گے لیکن جنوبی پنجاب میں جو نعتیہ تصانیف سامنے آئی ہیں ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نعت کی یہ تفریق و تقسیم عموماً شعراً کے مدنظر نہیں رہتی بلکہ ہر نعت میں ملی جلی کیفیات و مضامین نظر آتے ہیں گویا ہر نعت ایک ایسے باغ کی مانند ہے جس میں رنگ برنگے پھولوں کی کیاریاں نظر آتی ہیں اور مرکب کیفیات مضامین میں متنوع رنگ یکجا ہو کر ذوق و وجدان کو عجب عجب لذتوں سے سرشار کرتے ہیں۔

جنوبی پنجاب میں نعت گوئی میں تنقیدی اور تحقیقی سطح پر کام خاصا کم ہوا ہے۔ اس سلسلے میں مزید ذوق عمل درکار ہے۔ ہماری معلومات کے مطابق اب تک یہ کام سامنے آیا ہے:

☆ گوہر ملسیانی کا تذکرہ ''عصر حاضر کے نعت گو''

☆ جاوید احسن خان کی تصنیف ''فی احسن تقویم'' جو نعتیہ شاعری کا تنقیدی مطالعہ ہے۔

☆ عاصی کرنالی کا پی ایچ ڈی کا تحقیقی مطالعہ ''اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر''

☆ مرتضی اشعر کی ''م۔محمد'' جو معیاری نعتوں کا ایک عمدہ انتخاب ہے۔ اس سے قبل انھوں نے اللہ کے نام سے حمدیات کا انتخاب شائع کیا تھا۔

☆ اب ہم تخلیقی نعت کا ذکر کرتے ہیں۔ شروع میں ان شعرا کا ذکر ہے جو اس علاقے میں کچھ وقت قیام پذیر رہے اور بعد میں جنوبی پنجاب سے باہر کسی اور شہر میں منتقل ہو گئے۔ یہاں ان کا قیام یا تو ہجرت کے بعد عارضی طور پر رہا یا بسلسلہء معاش وہ یہاں چند ماہ و سال مقیم رہے۔ یہاں کے قیام میں انھوں نے تخلیقی سطح پر نعت کے سرمایے میں بیش بہا اضافہ کیا۔

☆ حافظ مظہر الدین جو ہجرت کے بعد کچھ وقت ملتان رہے پھر راولپنڈی چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔ جلوہ گاہ ان کی ایک معروف و ممتاز نعتیہ تصنیف ہے۔

☆ خالد بزمی: بحثیت پروفیسر ایک کالج میں کچھ دیر رہے پھر لاہور سکونت پذیر ہو گئے۔ سنہری جالیوں کے سامنے ان کا مجموعہ نعت ہے۔

☆ ماہر القادری : ملتان رہے پھر مستقلاً کراچی ان کا مسکن رہا۔ ماہرالقادری نعت کا ایک معتبر نام اور ایک تاریخ ساز حوالہ ہے۔

☆ علامہ قابل گلاوٹھی : پہلے ملتان رہے پھر پشاور اور واہ میں قیام پذیر رہے۔ ان کی کلیات ''دبستانِ قابل'' کے نام سے ان کی وفات کے بعد ان کے لائق و فائق بھائی منصور عاقل کے اہتمام میں شائع ہوئی۔ اس کلیات میں بے شمار حمدیں اور نعتیں شامل ہیں۔

مشکور حسین یاد : ہجرت کے بعد ملتان میں قیام پھر لاہور میں سکونت۔ ان کی دینی شاعری میں وقیع نعتوں کا بہت سا سرمایہ ہے۔

☆ آغا صادق اور علامہ عیش فیروز پوری : سال میں کچھ وقت کوئٹہ میں گزارتے کچھ وقت ملتان میں رہتے اور جنوبی پنجاب کے ادب میں تخلیقات کا خزینہ شامل کرتے۔ آغا صادق کا نعتیہ مجموعہ چشمہ کوثر ہے۔ علامہ عیش بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے لیکن انھیں نعت گوئی کی سعادت بھی حاصل رہی۔

اب ہم جنوبی پنجاب کے نعت گوؤں کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن شروع میں ایک دو امور کا اجمالی ذکر۔ اگرچہ حمد و نعت کے بہت سے اسباب عوامل اور محرکات ہیں (جیسا کہ اوپر درج ہوا) لیکن سب سے بڑا محرک ایک مسلمان شاعر کے لیے مسلمان ہونا اور حضورﷺ کا امتی ہونا ہے۔ اس لیے یہاں کے سیکڑوں شعرا میں سے کوئی ایک بھی شاعر ایسا نہیں جس نے حمد و نعت کہنے کا شرف حاصل نہ کیا ہو۔ لیکن ہم صرف صاحب تصنیف شعرا ہی کا ذکر کریں گے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ بعض نعت گوؤں کے مسودے تیار پڑے ہیں جو عمدہ اور معیاری نعتوں سے پر ہیں بلکہ کئی مسودوں پر راقم المعروف کے دیباچے اور تعارفی مضامین بھی شامل ہیں۔ بوجوہ یہ مسودے ہنوز محروم اشاعت ہیں۔ اگر وہ سب چھپ سکے تو چراغانِ حمد و نعت میں بہت سے تابندہ چراغوں کا اضافہ ہوجائے گا۔

صرف ان جنوب پنجاب کے شعرائے حمد و نعت کی ممکنہ حد تک دستیاب فہرست جن کی تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں (بہ لحاظ حروف تہجی)

جنوبی پنجاب کے نعت گو شعرا مع تصنیف / تصانیف

اسد ملتانی : ''تحفۂ حرم''

افق کاظمی : ''فروغ محامد''

اصغر علی شاہ : ’’پیامبرِ فجر‘‘
ایاز صدیقی : ثنائے محمد ﷺ‘‘
اقبال ارشد : ’’فصیل و پرچم‘‘،’’سرمایۂ حیات‘‘
انور جمال :’’لولاک لما‘‘،’’حسنت جمیع خصالہٗ‘‘
اقبال سندھو : ’’ہوائے بطحا‘‘
اقبال جاوید ہاشمی : ذوقِ جمال‘‘
تابش صمدانی : ’’برگِ ثنا‘‘، ’’مرحبا سیّدی‘‘
جعفر بلوچ : ’’بیعت‘‘
حسین سحر : ’’تقدیس‘‘، ’’تجلی‘‘، ’’تنویر‘‘، ’’سعادت‘‘
خلیل صمدانی : ’’گلزارِ خلیل‘‘
راجا عبداللہ نیاز : ’’یہ ہیں کارنامے رسولِ خدا کے‘‘
ریاض حسین زیدی : ’’ریاض مدحت‘‘
سہیل اختر : ’’قوسِ عقیدت‘‘
ساغر مشہدی : ’’ماحی‘‘
شہاب دہلوی : ’’موجِ نور‘‘
عزیز حاصلپوری : ’’جامِ نور‘‘، ’’صحیفۂ نور‘‘، ’’جمالِ نور‘‘، ’’تضمینِ مبیں‘‘
عاصی کرنالی : ’’مدحت‘‘، ’’نعتوں کے گلاب‘‘، ’’حرفِ شیریں‘‘
عرش صدیقی : ’’کملی میں بارات‘‘
عین شجاع آبادی : ’’خوشبوئے ثنا‘‘، ’’متاعِ عجز‘‘، ’’حرا سے حرم تک‘‘
غافل کرنالی : ’’قندیلِ حرم‘‘
گوہر ملسیانی : ’’مظہرِ نور‘‘، ’’متاعِ شوق‘‘
لالۂ صحرائی : ’’قلم سجدے‘‘، ’’بارانِ نعت‘‘، ’’لالہ زارِ نعت‘‘، ’’نعت ستارے‘‘، ’’نعت سویرا‘‘، ’’نعت چراغاں‘‘، ’’نعت دھنک‘‘، ’’نعت صدف‘‘، ’’پھولوں کے لیے پھول‘‘، ’’غزواتِ رحمۃ للعالمین‘‘
محمد عبدالعزیز شرقی : ’’فیوض الحرمین‘‘

منصور ملتانی : ''مرسَل و مرسِل''، ''سیّدالبشر''
محمد اسلم سیّد : ''محفلِ سرکار''
نور صابری : ''نوائے نور''، ''صبحِ نور''
ولی محمد واجد : ''والضحیٰ''
ہلال جعفری : ''جانِ رحمت''، ''معراجِ مصطفیٰ''، ''طلوعِ سحر''، ''مطلعِ انوار''، ''ہلالِ حرم''، ''کاسۂ ہلال''، ''کشکولِ ہلال''

D:NaatRang-14
File :Makala5
Final

شہناز کوثر۔ لاہور

آستانہ اور شاعرِ آستانہ

شاعرِ ملت لسان الحسان علامہ یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی نہایت پرگو اور قادر الکلام شاعر تھے۔ انھوں نے تمام عمر حمد و نعت و منقبت میں طبیعت کی جولانی دکھائی۔ چند نظمیں قومی موضوعات پر بھی کہیں۔ وہ بیس سال کی عمر سے (قمری لحاظ) سے نوے برس کے سن تک اسی راستے کے راہی رہے۔ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء میں (۲۲ر رجب/۲ر جون) بدایوں کے مشہور علم دوست خاندان میں پیدا ہونے والی یہ شخصیت دو برس کی تھی کہ والدہ کی شفقت سے اور سات سال کی عمر میں والد مُلّا یاد حسین کے سائے سے محروم ہوگئی۔ یوں کفالت کا بار ان کے خالو علی احمد خان اسیر بدایونی کے کندھوں پر پڑا اور انھوں نے پرورش اور خبر گیری کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیم و تربیت کی طرف بھی پوری توجہ دی۔ اسیر بدایونی کے آغوش تربیت میں ضیاء القادری اوائل عمر ہی سے شعر و ادب اور تصوف طریقت کے رشتۂ محبت میں منسلک ہوگئے۔

۱۹۴۸ء میں علامہ ضیاء القادری کو زیارت حرمین شریفین کی سعادت ملی اور ۱۳ر اگست ۱۹۷۰ء (۱۲ر جمادی الثانی ۱۳۹۰ھ) کو واصل بحق ہوئے۔ سیّد محمد فاروق احمد لکھتے ہیں کہ ''ان کی عقیدت زندگی کے ہر دور میں سرکارِ مدینہ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے رہی۔ چناں چہ ان کے کلام کی طرح ان کی سیرت بھی اسی کی غماز تھی۔ ان کی طبیعت میں کمال درجہ سادگی، منکسر المزاجی، شفقت و دل نوازی تھی۔ غلبہ محبتِ رسول (ﷺ) سے ہمیشہ سرشار رہتے تھے۔ (ماہ نامہ ''نعت'' لاہور، جولائی ۱۹۸۹ء ''کلامِ ضیا''، ص۱۰۰)۔

خواجہ حسن نظامی نے کہا، ''جب خدا نے دیکھا کہ لامذہبیت کا طوفان بڑھ رہا ہے، بے دینی کا تسلط دلوں پر ہوتا جارہا ہے تو اس نے ایک ایسا شاعر پیدا کردیا جو اس بے دینی

اورلامذہبیت کے دور میں خدا اور رسول(ﷺ) کا پیغام دنیا کو پہنچائے اور خدا نے اس شاعر کے کلام میں ایسا درددیا ہے کہ پتھر سے پتھر دل رکھنے والا بھی اس شاعر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہ شاعرکون ہے؟ ان کا نام ضیاء القادری ہے۔" (دیباچہ "تجلیاتِ نعت")

مولانا عبدالحامد بدایونی لکھتے ہیں، "مولانا ضیاء القادری محض ایک کامیاب شاعر ہی نہیں بلکہ علم و ادب اور فنِ تاریخ میں بھی خاص درک اور مہارت رکھتے ہیں۔" (تقریظ، "مرقعِ یادگارِ شہادت")

شاہ انصار الٰہ آبادی کی تحریر دیکھیے، "علامہ ضیاء القادری تمام اصنافِ سخن پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ قصیدہ، حمد، نعت، منقبت، سلام، رباعی، تاریخ، تغزل وغیرہ میں عجیب عجیب قیامت خیز کمالات دکھاتے ہیں اور ہر شعرمیں بندشیں چست، سلیس زبان، جذباتِ مقدسہ کا بے پناہ سیلاب،الفاظ ترشے ہوئے نگینے کہیں شب اسرا کی ارتقائی منازل، کہیں کوثر کے مشک بو چھینٹے،کہیں شب ہجرت کا سہانا عکس، کہیں کالی کملی میں برق ایمن کی شعاعیں، کہیں نغمہ"لولاک لما خلقت الافلاک" کی گونج، کہیں گنجینہ معنی، کہیں اسرارِ معرفت۔غرض ہر شعر ایمانی جذبات ومحسوسات کا ایسا رنگین اور جامع مرقع ونمونہ ہے ہے جس کی کماحقہ مدح کے لیے الفاظ نامساعد ہیں۔ (تقریظ "ستارہ چشت")

علامہ ضیاء القادری کی منظوم مطبوعات میں درجِ ذیل کتابیں ہیں:

۱۔ تاج مضامین (پہلا دیوان) عثمانی پریس، بدایوں۔ ۱۳۴۵ھ (یہ کتاب راقمہ کی نظر سے نہیں گزری)۔

۲۔ تجلیاتِ نعت (دیوان دوم)، آستانہ بک ڈپو، دہلی ۱۳۶۴ھ (پورا نام "تجلیاتِ نعت یا گنجینۂ اوصاف خیر الوریٰ ﷺ" ہے۔ ۲۶۴ صفحات پر حمد و نعت و منقبت کی ۲۶۵ منظومات ہیں)۔

۳۔ خزینۂ بہشت (دیوانِ ثالث) ناشر ناظم جبل پوری، صدر بزمِ ضیا، کراچی۔ ۱۹۵۹ء (صفحات ۴۷۹ ہیں۔۲ حمدیں، ۵۸ مناقب، ۱۰ نظمیں اور ۵ مناجاتیں ہیں)۔

۴۔ نغمۂ ربانی۔ آستانہ بک ڈپو، دہلی پہلی بار ۱۹۵۷ء میں چھپی "نعت لائبریری" میں چوتھا ایڈیشن ہے جو۱۹۶۴ء میں چھپا۔صفحات ۶۴ ہیں۔یہ مثنوی حضورِ اکرم ﷺ کے میلادِ مبارک سے متعلق ہے اور ۵۱۴ اشعار پرمشتمل ہے۔"نعت لائبریری" میں اردو پاکٹ بکس

کراچی کا شائع کردہ نسخہ بھی ہے۔

۵۔ نغمہ ہائے مبارک ادارہ ترویج المناقب، کراچی ۱۳۶۹ھ صفحات ۴۸ (کتاب میں ۱۸ سلام ہیں)۔

۶۔ آئینۂ انوار (مرتبین ساجد صدیقی۔ والی آسی) مکتبہ دین و دنیا، لکھنؤ ۱۹۶۷ء صفحات ۴۸ (''حرفِ آغاز'' میں مرتبین لکھتے ہیں، ''ان کا کلام ہر قسم کی آلودگی سے پاک و صاف ہے ان کی نعتیں قرآن و حدیث کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ پرگوئی کے ساتھ ساتھ ان کا کلام فنی چابک دستی، نکتہ سنجی، معنی آفرینی، بلندیِ خیال و مضامین، شگفتگی، زبان و بیان، غرضے کہ تمام تر شاعرانہ محاسن کا حاصل ہے۔'')

۷۔دیارِ نبی ﷺ، مکتبہ اربابِ اردو، لاہور، ۱۹۵۰ء صفحات ۳۲۸، منظوم سفرنامہ ہے۔ حصہ اوّل میں ''تیاری اور سفر بدایوں تا کراچی'' ہے جس میں ایک حمد، ۸ نعتیں، مثنوی کے ۲۹۷ اشعار اور ۲۰ مناقب ہیں۔ حصہ دوم میں ۲ نعتیں، ۳ مناجاتیں، مثنوی کے ۱۲۱۶ اشعار اور ۸۴ نظمیں ہیں۔ یہ حصہ کراچی سے مکۂ معظمہ کے سفر کی منظوم روداد ہے۔ ''دیارِ نبی ﷺ'' کے دونوں حصوں میں مدینۃ النبی ﷺ میں حاضری کی روداد اور کیفیات نہیں ہیں شاید تیسرے حصے میں ہوں گی جو ہمارے سامنے نہیں شاید چھپا ہی نہیں۔

۸۔چراغ صبح جمال (مرتبہ رئیس بدایونی) مطبوعہ مشہور آفسٹ لیتھو پریس، کراچی۔صفحات ۳۲ (اس میں مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کے قصیدۂ نور ''صبح طیبہ میں ہوئی، بٹتا ہے باڑا نور کا'' کے علاوہ اسی زمین میں اسیر بدایونی کا ۶۵ اشعار کا قصیدہ ''خلوت گہ نور'' مولانا ضیاء القادری کا ۶۴ اشعار کا قصیدہ ''نورِ خورشید'' اور ان کے صاحب زادے محمد اظہر الحق یوسف حسین نور قادری کا اٹھارہ اشعار کا قصیدہ شامل ہے۔

۹۔ آثارِ بے خودی، مطبع قادری، بدایوں۔۱۳۳۴ھ

۱۰۔ جوارِ غوث الوریٰ (نظم و نثر میں بغداد شریف اور دیگر مقاماتِ مقدسہ کا سفرنامہ) ناشر اصغر حسین صدیقی قادری، صدر کراچی۔ اندرونی سرورق پر تین تاریخی نام درج ہیں۔ ''سفر حدودِ بغداد''، ''بیعدیل سفرنامہ ضیا'' اور ''تذکرۂ اولیا'' (۱۳۷۳ھ) صفحات ۱۱۲، طبع اوّل ۱۳۷۳ صفحہ ۸۷ تک منظوم سفرنامہ اور زیارات نامہ ہے۔ صفحہ ۸۸ سے آخر تک منثور ''تذکرۂ اولیا'' ہے۔

۱۱۔ ستارۂ چشت، تاج اردو کتاب گھر، کراچی ۱۹۵۱ء، ۱۴۴ صفحات ایک حمد، ۲ نعتیں اور ۱۰۱ مناقب ہیں۔

۱۲۔ مرقع یادگارِ شہادت، انجمن امانت الاسلام، کراچی۔ ۱۳۶۰ھ، صفحات ۲۴۰۔ (یہ کتاب پہلی بار نظامی پریس بدایوں میں ۱۳۵۸ھ میں چھپی تھی۔ اس میں منظوم واقعات کربلا ہیں)۔

علامہ ضیاء القادری بدایونی کی نثری کاوشوں کی صورت یہ ہے:

۱۔ اکمل التاریخ (دو جلدوں میں) نظامی پریس، بدیوں (نایاب)۔

۲۔ حیاتِ صدیقِ اکبرؓ۔ دارالفرقان، دہلی، ۱۳۷۶ھ۔

۳۔ تاریخِ اولیائے حق، مشہور پریس، کراچی ۱۳۲۷ھ (والدی راجا رشید محمود لکھتے ہیں، ان کی ایک اور کتاب ''تاریخ اولیائے حق'' بھی میں نے دیکھی ہے جس میں انھوں نے مختلف اولیائے کرامؒ کا منظوم اور منثور تذکرہ کیا ہے۔ (ماہ نامہ ''نعت'' جولائی ۱۹۸۹ء، ص۱۴)

۴۔ دربار عرس شریف، نظامی پریس، بدایوں، ۱۳۲۷ھ۔

سیّد محمد فاروق احمد لکھتے ہیں، ''مولانا اوائل عمر سے برصغیر کے ممتاز دینی رسائل اور جرائد خصوصاً رسالہ ''مولوی''، ''پیشوا'' میں مذہبی موضوعات پر معلوماتی اور تحقیقی مقالے اور مضامین لکھتے رہے اور اس کے ساتھ ساتھ برصغیر ہند و پاک کا شاید ہی کوئی ایسا ماہ نامہ ہوگا جس میں مولانا کی حمد، نعت اور منقبت شائع نہ ہوتی رہی ہو...

مولانا کی تحریک پر صاحب زادہ محمد مستحسن فاروقی (مرحوم) نے ۱۹۴۴ء میں رسالہ ''آستانہ'' دہلی سے جاری کیا۔ مولانا مستقلاً اس کے لیے آخر وقت تک مضامین اور حمد و نعت لکھتے رہے۔ مرحوم صاحب زادہ محمد مستحسن فاروقی فرمایا کرتے تھے کہ مولانا ضیاء القادری میرے رسالے کے لیے ایسا تحریری مواد فراہم کرچکے ہیں کہ بغیر کسی اور مضمون نگار اور شاعر کا احسان مند ہوئے عمر بھر صرف مولانا کی تحریروں کے سہارے رسالہ جاری رکھ سکتا ہوں۔'' (ماہ نامہ ''نعت'' لاہور، جولائی ۱۹۸۹ء، ''کلامِ ضیا'' حصہ اوّل، ص۹۸۔۹۹) راجا رشید محمود نے لکھا ''علامہ ضیاء القادری نے ہزارہا نعتیں کہیں، سیکڑوں طویل اور مختصر نظمیں لکھیں، سیکڑوں مناقب پیش کیے۔ ان کا بیش تر کلام سال ہا سال تک اپنے نام کے بجائے ''شاعرِ آستانہ'' کے نام سے بھی ''آستانہ'' میں چھپتا رہا۔'' (ایضاً ص۶) سیّد محمد فاروق احمد نے نشان دہی

تونہیں کی مگر لکھا، ''اس کے علاوہ اور بہت سی تصانیف ہیں جو آستانہ بک ڈپو سے شائع ہوئیں مگر ان پر مصنف کا نام نہیں، وہ بھی مولانا کی تحریر کردہ تھیں۔'' (ایضاً ص ۱۰۰)

ماہنامہ ''آستانہ'' دہلی کا مکمل فائل تو دستیاب نہیں۔ ہمارے پاس اس کے درج ذیل اشاعتیں موجود ہیں:

۱۔ ۱۹۴۸ (بارہ پرچے)
۲۔ ۱۹۴۹ء (جون تا ستمبر۔ چار پرچے)
۳۔۱۹۵۰ء (بارہ پرچے)
۴۔۱۹۵۱ء(بارہ پرچے)
۵۔۱۹۵۲ء (بارہ پرچے)
۶۔۱۹۵۳ء(جنوری تا مارچ، جون، اگست تا دسمبر، نو پرچے)
۷۔۱۹۵۴ء(جنوری تا جون، چھے پرچے)
۸۔۱۹۵۵ء(بارہ پرچے)
۹۔۱۹۵۶ء(بارہ پرچے)
۱۰۔۱۹۵۷ء(بارہ پرچے)
۱۱۔۱۹۵۸ء(بارہ پرچے)
۱۲۔۱۹۵۹ء(فروری۔ ایک پرچہ)
۱۳۔۱۹۶۱ء(ستمبر۔ ایک پرچہ)
۱۴۔۱۹۶۲ء(بارہ پرچے)
۱۵۔۱۹۶۴ء(مارچ تا مئی، تین پرچے)
۱۶۔۱۹۶۵ء(مارچ ایک پرچہ)
۱۷۔۱۹۶۶ء(اپریل، جون، جولائی، تین پرچے)
۱۸۔۱۹۶۷ء(مارچ، جون، اگست، نومبر۔ چار پرچے)
۱۹۔۱۹۶۸ء(فروری، ستمبر، دو پرچے)
۲۰۔۱۹۶۹ء(جنوری۔ ایک پرچہ)

ان کے علاوہ وقتاً فوقتاً راقمہ کے والدِ محترم اپنے بعض احباب سے عاریتاً بھی بعض

شمارے لاتے رہے اور میں بھی ان سے استفادہ کرتی رہی اس طرح زیرِنظر مضمون کی صورت میں علامہ ضیاء القادری کی نعت گوئی کا ایک اجمالی خاکہ ماہنامہ ''آستانہ'' دہلی کے حوالے سے مرتب ہوسکا ہے۔

ماہنامہ ''آستانہ'' میں علامہ ضیاء القادری کے علاوہ اور بہت سے نامور شعراء کا نعتیہ کلام بھی چھپتا تھا مگر حمد مناجات، نعت اور منقبت کے حوالے سے زیادہ کلام ہمارے ممدوح ضیاء القادری ہی کا ہوتا تھا۔

میں نے مختلف موضوعات کے ضمن میں نشاندہی کی ہے کہ رسالے کے کس شمارے کے کس صفحے پر کوئی نعت پائی جاتی ہے۔ ہر موضوع کے ساتھ علامہ ضیاء القادری کی نعتوں کے چند اشعار بھی درج کردیے گئے ہیں۔ ممکن ہے مستقبل کے محققین نعت کے لیے یہ معلومات مفید ثابت ہوں۔

میلادیہ نعتیں

آستانہ میں موجود میلادیہ نعتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

ستمبر ۱۹۶۱ء (ص ۳۰، ۴۲، ۵۱، ۵۲، ۶۴) اگست ۱۹۶۲ء (ص ۴۷، ۴۸) جولائی۱۹۶۶ء (ص۴۰، ۵۸) فروری ۱۹۶۸ء (ص ۴۰) فروری ۱۹۵۱ء (ص ۴۵) ستمبر ۱۹۶۰ء (ص ۳۵، ۳۶، ۴۶، ۵۶، ۶۷) اکتوبر ۱۹۶۰ء (۳۵، ۳۶، ۴۴، ۵۴) جنوری ۱۹۴۸ء (ص۳۱) فروری ۱۹۴۸ء (ص ۹، ۱۲) اپریل ۱۹۴۸ء (ص ۳۲) مئی ۱۹۴۸ء (ص ۴۲) جنوری ۱۹۵۱ء (ص ۳۸) دسمبر ۱۹۵۱ء (ص ۳، ۹) فروری ۱۹۵۲ء (ص ۶۲) جنوری۱۹۵۳ء (ص ۳۲) دسمبر ۱۹۵۶ء (ص ۲۰) دسمبر۱۹۵۳ء (ص ۲۱، ۲۲، ۹۲، ۱۰۰، ۱۰۷) جنوری ۱۹۵۵ء (ص ۴۰) نومبر ۱۹۵۶ء (ص ۳۱، ۳۲)۔

پھر ربیع الاوّل آیا پھر مسلماں شاد ہیں
عید میلادالنبی ﷺ کا پھر ہلال آیا نظر
ہے نوید فتح و نصرت آمد ماہِ ربیع
جبر وظلم وجور میں ہر جا زوال آیا نظر
دے ہمیں ''عیدی'' میں امن جاوداں ربّ کریم
عید میلاد محمد ﷺ کا ہلال آیا نظر

جب ازل میں بن کے مہر و ماہ چمکے انبیا
آمنہ کا لال سب میں بے مثال آیا نظر

......☆......

عید ہے بزمِ دوعالم میں حضورﷺ آتے ہیں
فرش تک عرش سے ہے جن کا ظہور آتے ہیں
روکش خلد و جناں آمنہ بی کا ہے مکاں
تہنیت خواں ہیں فرشتے کہ حضورﷺ آتے ہیں

......☆......

جناں برکف ہے دنیا خلد ساماں بزم عالم ہے
محمد مصطفیٰ سلطان دیں تشریف لائے ہیں
سلامی کو ہیں قصر آمنہ پر انبیا حاضر
رسول پاک ختم المرسلین تشریف لائے ہیں
خلیل کعبہ نے مانگیں دعائیں جن کے آنے کی
خدا شاہد، وہ کعبہ کے امیں تشریف لائے ہیں
ہے شور مرحبا، صل علیٰ بزم دوعالم میں
جہاں میں سرور دنیا و دیں تشریف لائے ہیں

......☆......

ہر نبی نے دی نوید آمد خیرالبشر
ہے ازل سے یہ کمال عید میلادالنبی
عظمت عیدین امت میں مسلم ہے مگر
کب ہیں یہ عیدیں مثال عید میلادالنبی
دل میں ٹھنڈک، تازگی ایماں میں انکھوں میں سرور
مرحبا یہ ذکر حال عید میلادالنبی
سرد ہیں آتش کدے، لات وہبل ہیں سرنگوں
ہے عجب جاہ و جلال عید میلادالنبی

D:Sabhi\NaatRang-14
File:Makala6
Final

کھلے جنت کے در، رحمت کے دن صل علیٰ آئے
مبارک مرحبا اھلاً و سھلاً مصطفیٰ آئے
وہ آئے جن کے خود عیسیٰ مبشر بن آ کر آئے تھے
وہ آئے جن کے استقبال کو سب انبیا آئے
جہاں روشن ہوا، ماہ ربیع اوّلیں آیا
نظر بے پردہ ہر ذرے میں انوار خدا آئے

......☆......

وہ آئے عرش سے کعبہ میں، کیا عید بہار آئی
ہے جشن عید میلادالنبی ہر سمت امت میں

......☆......

ربیع الاول آیا، وجد میں ارض وسما آئے
زباں پر کیوں نہ مدح مصطفیٰ صل علیٰ آئے
جہاں میں آج وہ خیر البشر خیر الوریٰ آئے
بشارت جن کی لے کر مرسلین و انبیا آئے

معراجیہ نعتیں

جون۱۹۵۳ء (ص ۱۵) اپریل ۱۹۵۵ (ص ۱۹، ۳۴، ۲۹، ۳۳) فروری ۱۹۵۹ء (ص۴۰، ۴۵، ۴۶، ۲۵) فروری ۱۹۶۰ء (ص ۴۶، ۵۵) جنوری ۱۹۶۳ (ص ۳۸، ۴۲، ۴۷) اپریل ۱۹۵۷ء (ص ۳۲) جولائی ۱۹۴۸ء (ص ۱۲) نومبر ۱۹۴۸ء (ص ۵۱) جون ۱۹۴۹ء (ص۳۵) مئی ۱۹۵۰ء (ص ۳۵) جون ۱۹۵۰ء (ص ۲، ۵۵) مئی ۱۹۵۱ء (ص ۱۰) اپریل ۱۹۵۲ء (ص۱۳، ۱۵) اپریل ۵۴ (ص ۳۹) اپریل ۱۹۵۵ء (ص ۲۹، ۳۳، ۳۴) مارچ ۱۹۵۶ء (ص ۳۰، ۳۲) اپریل ۱۹۵۷ء (ص ۳۲) فروری ۱۹۵۹ء (ص ۲۵، ۴۶، ۴۰، ۴۵) جنوری ۱۹۶۲ء (ص ۴۰، ۴۳، ۴۴، ۵۲)

عید شب اسرا کے نغمے دن رات جو گائے جاتے ہیں
نوشاہ دنا بزم دنا حق تک لے جائے جاتے ہیں

پیاری ہے شب اسراہی وہ شب، ملتے ہیں خدا سے شاہ عرب
پردے ہیں نیاز و ناز کے جو اس رات اٹھائے جاتے ہیں
نوشاہِ حرم، سلطان اُمم مہمان بلائے جاتے ہیں
ہے عرش کی آئینہ بندی افلاک سجائے جاتے ہیں

......☆......

مکین قوسین منزل میں ہیں سرکار شب اسرا
ہیں صدر بزم ''او ادنیٰ'' کماندار شب اسرا

......☆......

مرحبا عزوعلائے شب معراج رسول
ہے خدا صرف ثنائے شب معراج رسول
خالق عرش کا پاتے ہیں اشارہ جبریل
عرش سے کعبہ میں آئے شب معراج رسول
نورِ مطلق کی طرف نورِ مجسم ہے رواں
ہے پرانوار فضائے شب معراج رسول

......☆......

جلوے صفات وذات کے ہر سمت چھاگئے
سلطان عرش عرش، معلیٰ پہ آگئے
ملنے خدا سے جب وہ حبیب خدا گئے
جلوے خدا کے، فرش سے تا عرش چھاگئے
کس کو خبر، کہاں سے کہاں مصطفیٰ گئے
کعبہ سے چل کے تابہ مقام دنا گئے

......☆......

انجم و شمس و قمر آئینہ دار معراج
حلقۂ کاہکشاں راہ گذار معراج
لے کے جبریل امیں آئے ہیں جنت سے براق
ہیں رواں سوئے فلک شاہ سوار معراج

D:Sabhi\NaatRang-14
File:Makala6
Final

نہ ہوا اوج کسی اور نبی کو یہ نصیب
ذات محبوب کو حاصل ہے وقار معراج

......☆......

اے تعالیٰ اللہ! کیا شان شب معراج ہے
ہر شرف، ہر اوج شایان شب معراج

......☆......

کیوں مزین نہ ہو فردوس بریں آج کی رات
سیر کو آتے ہیں کعبہ کے امیں آج کی رات
خواب راحت سے جگانے کے لیے روح امیں
ان کے تلووں سے لگاتے ہیں جبیں آج کی رات
کیوں نہ ہو گردش کونین معطل اک دم
روح کونین ہے جب اور کہیں آج کی رات
شربت دید پلاکر یہ کہا خالق نے
اپنے محبوب سے کچھ پردہ نہیں آج کی رات

......☆......

کیا جانیے ، کیا راز تھے محبوب ومحبّ کے
خلوت میں ملاقات کی شب تھی شب معراج
محبوب کو اللہ نے ہر چیز دکھا کر
محبوب کی تصویر دکھائی شب معراج

......☆......

کتنی رنگین و دلآویز ہے معراج کی رات
نور انداز و سحر خیز ہے معراج کی رات
کوئی پہنچا تھا، نہ پہنچے گا سر عرش بریں
بالیقیں معجزہ آمیز ہے معراج کی رات

......☆......

نبی تو سارے میان اقصیٰ مثال انجم دمک رہے ہیں
حضور نبیوں کی انجمن میں سراج بن کر چمک رہے ہیں
زمانہ ساکت، فضا معنبر، خوشی میں رقصاں ہے آج صرصر
زمین پہ معراج مصطفیٰ کی خوشی میں سبزے لہک رہے ہیں
یہ عظمت و شان مصطفائی، یہ فضل و انعام کبریائی
کہ قُدسیان مقربیں بھی وفور حیرت سے تک رہے ہیں
فلک پہ رقصاں ہیں حور و غلماں، زمین پہ شاداں ہیں جن و انساں
گروہ ابلیس کے دلوں میں حسد کے شعلے بھڑک رہے ہیں

......☆......

کیا سمجھے راز کوئی معراجِ مصطفیٰ کے
ہیں خلوت دنا میں مہماں وہ خدا کے
ہیں سرورِ دوعالم سردارِ انبیا کے
اللہ رے یہ رتبے محبوب کبریا کے
خالق ہے جو بے جسم تو بے سایہ محمد ﷺ
جلوے سے ملا خوب یہ جلوہ شب معراج
تھا حسن ازل جذب جمال نبوی میں
خود حسن ہوا حسن پہ شیدا شب معراج
نقش قدم سرورِدیں لطف خدا سے
دے آئے شرف عرش کو کیا کیا شب معراج

''محمد'' (ﷺ) ردیف کی نعتیں

مئی ۱۹۵۸ء (ص ۳۷) جون ۱۹۵۹ء (ص۵۱) دسمبر ۱۹۵۹ء (ص ۶۳) جنوری ۱۹۶۱ء (ص ۵۹، ۶۰) فروری ۱۹۶۱ء (ص ۴۶) اپریل ۱۹۶۱ء (ص ۴۷، ۵۵) ستمبر ۱۹۶۲ء (ص ۴۲) مارچ ۱۹۶۴ء (ص ۴۰) اپریل ۱۹۶۶ء (ص ۵۳) جون ۱۹۶۷ء (ص ۴۳، ۴۴) فروری ۱۹۶۸ء (ص ۴۸) ستمبر ۱۹۶۸ء (ص ۴۸) ستمبر ۱۹۶۸ء (ص ۴۶) جولائی ۱۹۶۰ء (ص۴۱، ۴۹) اگست ۱۹۶۰ء (ص ۴۲) اکتوبر ۱۹۶۰ء (ص۵۴، ۶۱) نومبر ۱۹۶۰ء (ص ۵۵)

دسمبر ۱۹۶۰ء (ص ۴۴، ۵۷) فروری ۱۹۴۸ء (ص ۶۰، ۳۷) اپریل ۱۹۴۸ء (ص ۷، ۱۹) مئی ۱۹۴۸ء (ص ۲۳) جون ۱۹۴۸ء (ص ۱۰، ۴۶) ستمبر ۱۹۴۸ء (ص ۱۴، ۱۶، ۲۷، ۲۸) نومبر ۱۹۴۸ء (ص ۲۳، ۲۳، ۴۲) اگست ۱۹۴۹ء (ص ۸۴) دسمبر ۱۹۴۹ء (ص ۴۷) جولائی ۱۹۵۰ء (ص ۲) دسمبر ۱۹۵۱ء (ص ۶) جنوری ۱۹۵۲ء (ص ۵۰) جون ۱۹۵۲ء (ص ۳۱) ستمبر ۱۹۵۲ء (ص ۳۵) مارچ ۱۹۵۳ء (ص ۲۳) دسمبر ۱۹۵۳ء (ص ۱۰۴) جنوری ۱۹۵۴ء (ص ۱۴) فروری ۱۹۵۴ء (ص ۵۲) فروری ۱۹۵۸ء (ص ۳۸) مئی ۱۹۵۸ء (ص ۳۸) مارچ ۱۹۶۲ء (ص ۵۲) جون ۱۹۶۲ء (ص ۴۶) دسمبر ۱۹۶۲ء (ص ۴۲)

زہے صورت لاجواب محمدﷺ
ہیں سلطان خوباں جناب محمدﷺ
ازل تا ابد بزم کون و مکاں میں
نہ تھا اور نہ ہوگا جواب محمدﷺ
نصیبے مہ مہر کے جگمگائے
جو دیکھا رخ بے نقاب محمدﷺ
نظر ہر گنہگار پر حشر میں ہے
زہے رحمت بے حساب محمدﷺ
غم حشر و اندیشہ مغفرت کیوں
ہے کافی مجھے انتساب محمدﷺ

......☆......

ہیں نور ذات یزداں، ہیں نور جاں محمدﷺ
بزم ازل، ابد میں ہیں ضو فشاں محمدﷺ
بے شک ہیں چارہ ساز ہر ناتواں محمدﷺ
سنتے ہیں بے کسوں کی آہ وفغاں محمدﷺ
فیض قدم سے ان کے جنت چمن چمن ہے
ہر قدرتی چمن کے ہیں باغباں محمدﷺ
محبوب کبریا ہیں، مقبول دوسرا ہیں
وہ خوش نصیب جن پر ہیں مہرباں محمدﷺ

تصدق ترے اے خدائے محمد ﷺ
مرے دل میں بھردے ولائے محمد ﷺ
مدینہ میں بخشش کا بٹتا ہے باڑا
ہے جنت بکف ہر گدائے محمد ﷺ
مجھے ذوق بینش عطا ہو وہ یارب
نظر کچھ نہ آئے سوائے محمد ﷺ
سر حشر اک عید ہے عاصیوں میں
وہ آئے محمد، وہ آئے محمد ﷺ

''نور محمد ہے'' ردیف کی ایک نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہر محفل جو درخشاں روشنئ عرش ایزد ہے
ہے سینۂ طورِ سینا قلب میں نورِ محمد ﷺ ہے
بہار گلشن جنت نثار سبز گنبد ہے
ریاض خلد میں نزہت فزا نورِ محمد ﷺ ہے
ہیں وہ نور خدا، ہے خلق پیدا نور سے ان کے
زمین سے تا فلک دیکھو جدھر نور محمد ﷺ ہے

بارگاہ حبیبِ کبریا میں استغاثے

نومبر ۱۹۴۹ء (ص ۴۸، ۷۶) جون ۱۹۵۳ء (ص ۳۷) اگست ۱۹۵۳ء (ص ۴۵) اگست ۱۹۶۲ء (ص ۱۶) جنوری ۱۹۶۳ء (۳۷) مارچ ۱۹۶۷ء (ص ۶۱) جون ۱۹۵۶ء (ص ۲۰، ۲۸) جون ۱۹۵۷ء (ص ۵۹) جون ۱۹۶۰ء (ص ۶۸) اکتوبر ۱۹۶۰ء (ص ۶۲) فروری ۱۹۴۸ء (ص ۱۸) مارچ ۱۹۴۸ء (ص ۳۴) اپریل ۱۹۴۸ء (ص ۶، ۷، ۸) جون ۱۹۴۸ء (ص ۹، ۵۹، ۶۶) اگست ۱۹۴۸ء (ص ۵۴) اکتوبر ۱۹۴۸ء (ص ۲۷، ۶۶) نومبر ۱۹۴۸ء (ص ۸) جون ۱۹۴۹ء (ص ۲۱) اکتوبر ۱۹۴۹ء (ص ۱۵) جنوری ۱۹۵۰ء (ص ۷، ۱۲) مارچ ۱۹۵۰ء (ص ۳۰) اپریل ۱۹۵۰ء (ص ۷، ۲۵) اگست ۱۹۵۰ء (ص ۴، ۱۹) ستمبر ۱۹۵۰ء (ص ۹) اکتوبر ۱۹۵۰ء (ص ۲۱) جنوری ۱۹۵۱ء (ص ۸، ۴۷) فروری ۱۹۵۱ء (ص ۸) اپریل ۱۹۵۱ء (ص ۲۳) مئی ۱۹۵۱ء (ص ۱۵) اگست ۱۹۵۱ء (ص ۲۰) ستمبر ۱۹۵۱ء (ص ۳۳، ۴۸) اکتوبر ۱۹۵۱ء (ص ۵۶)

نومبر ۱۹۵۱ء (ص ۷) دسمبر ۱۹۵۱ء (ص ۷) فروری ۱۹۵۲ء (ص ۳) اپریل ۱۹۵۲ء (ص ۱۹) جون ۱۹۵۲ء (ص ۳۳) ستمبر ۱۹۵۲ ء (ص ۱۵) اکتوبر ۱۹۵۲ء (ص ۲۵) نومبر ۱۹۵۲ء (ص ۷) دسمبر ۱۹۵۲ء (ص ۱۸) دسمبر ۱۹۵۳ء رسول نمبر (۹، ۱۰۳) جنوری ۱۹۵۴ء (ص ۴۷) جون ۱۹۵۴ء (ص ۱۸) جنوری ۱۹۵۵ء (ص ۲۱) دسمبر ۱۹۵۵ء (ص ۲۰، ۴۱) فروری ۱۹۵۶ء (ص ۱۸) مارچ ۱۹۵۶ء (ص ۵۴) اپریل ۱۹۵۶ء (ص ۲۰) مئی ۱۹۵۶ء (ص ۳۲) جون ۱۹۵۶ء (ص ۲۰، ۲۸) جولائی ۱۹۵۶ء (ص ۲۲) اگست ۱۹۵۶ء (ص ۴۹) ستمبر ۱۹۵۶ء (ص ۳۱، ۳۶) جون ۱۹۵۷ء (ص ۴۹) مئی ۱۹۵۸ء (ص ۲۸) مارچ ۱۹۵۲ء (ص ۴۷)۔

وقف سلام ہیں مدام لاکھوں غلام یارسول ﷺ
لیجیے غم نصیب کا اپنے سلام یارسول ﷺ
دل میں ہے خوف پل سراط، سر پہ ہے بار معصیت
اپنے گناہ گار کو لیجیے تھام یا رسول ﷺ
سوئے مدینہ لے بلا، جلوۂ حق نما دکھا
محو غم فراق ہیں تیرے غلام یارسول ﷺ
اس کو قبول کیجیے، سن کے دعائیں دیجیے
نذر عقیدت ضیاہے یہ سلام یارسول ﷺ

......☆......

تیز تیر ہے گردش دوراں، الغنی یارسول ﷺ
زندگی ہے اب وبال جاں، الغنی یارسول ﷺ
دستگیری کیجیے للہ! آقائے رسل
ختم ہے جینے کا ہر امکاں الغنی یارسول ﷺ
آپ ہی سے التجا ہے امت ناشاد کی
آپ ہیں مجموعہ احساں، الغنی یارسول ﷺ

......☆......

خلد مکیں، حرم مکاں! بھردو ہماری جھولیاں
اے شہہ عرش آستاں بھردو ہماری جھولیاں

ہم ہیں گدائے ناتواں، ہم ہیں فقیر خستہ جاں
تم ہو معین بے کساں! بھردو ہماری جھولیاں
آپ کی بزم میں غلام، آئے ہیں سب پئے سلام
سن لو سلام بے کساں، بھردو ہماری جھولیاں

......☆......

نظام زیست ہے برہم ہمارا یارسول اللہ ﷺ
کرم فرمایئے ہم پر خدارا یارسول اللہ ﷺ
شفیع المذنبیں ہو رحمت للعالمیں تم ہو
سنو یہ استغاثہ اب ہمارا یارسول اللہ ﷺ

......☆......

سہارا نہیں جن کا دنیا میں کوئی انھی بے سہاروں کی فریاد سنیے
اسیر الم، کشتۂ جور دنیا، مصیبت کے ماروں کی فریاد سنیے
ہے جن کے لیے رحمتوں کا خزانہ، حبیب خدا، آپ کا آستانہ
نوازش کرم، التفات و عنایت سے امیدواروں کی فریاد سنیے
شکار ہجوم ملال ومحن ہیں، مگر مطمئن ہیں امید کرم پر
خمیدہ گناہوں سے ہے جن کی گردن، انھی شرمساروں کی فریاد سنیے

......☆......

سلام اے جامع صدق ودیانت یارسول اللہ ﷺ
سلام اے شافع روزو قیامت یا رسول اللہ ﷺ
سلام اپنے غلاموں کے بہ اکرام و عطا سنیے
سمجھے سب کو حق دار شفاعت یارسول اللہ ﷺ
نہ زادراہ رکھتا ہوں، نہ مال وزر ہے پاس اپنے
عیاں ہے آپ پر سب میری حالت یارسول اللہ ﷺ
طلب فرمایئے دربار میں پھر اس بھکاری کو
حضوری کی عطا ہو پھر اجازت یارسول اللہ ﷺ

D:Sabhi\NaatRang-14
File:Makala6
Final

کھڑا ہے نرغۂ اعدا میں عالم اسلام
مدد ہے آپ کی درکار یارسول اللہ ﷺ
عطا ہو فتح مبیں ناتواں غلاموں کو
عدو ہیں برسرپیکار یارسول اللہ ﷺ
انھیں ہو قید مصائب سے جلد آزادی
بلا میں جو ہیں گرفتار یارسول اللہ ﷺ
پکار سینے دل افگار درد مندوں کی
ہے خلق حاضر دربار یارسول اللہ ﷺ

......☆......

مدینہ کا تصور ہے، مدینہ کی تمنا ہے
سنو فریاد قلب زار و مضطر یارسول اللہ ﷺ
سیہ کاروں کی رسوائی نہ ہوجائے قیامت میں
تہ داماں چھپانا روزِ محشر یارسول اللہ ﷺ
اجازت شرمِ عصیاں سر اٹھانے کی نہیں دیتی
میں کیا منھ لے کے جاؤں پیش داور یارسول اللہ ﷺ
مداوا کیجیے سینہ فگاروں درد مندوں کا
مدد کو آیئے حجرہ سے باہر یارسول اللہ ﷺ
سماعت کیجیے یہ استغاثہ اپنی امت کا
اغثنی مصطفیٰ محبوب داور یارسول اللہ ﷺ

......☆......

طلب فرمایئے سوئے مدینہ مجھ بھکاری کو
بحق حضرت صدیق اکبر یارسول اللہ ﷺ
بقیع پاک میں دو گز زمین مجھ کو عطا کردو
برائے حضرت فاروق برتر یارسول اللہ ﷺ
دکھادو اپنا جلوہ، اپنے جلوؤں میں فنا کردو
پئے عثمانِ ذوالنورینِ انور یارسول اللہ ﷺ

یہ عرضِ آخری محتاج کی منظور ہوشاہا!
یہ منگتا آپ ہی کا ہے ثنا گر یارسول اللہ ﷺ

حضوری کی نعتیں

اگست ۱۹۵۳ء (ص ۲۵) جون ۱۹۵۹ء (ص ۶۴، ۶۹) اپریل ۱۹۶۶ء (ص ۴۷) جولائی ۱۹۵۵ء (ص ۳۲) نومبر ۱۹۴۸ء (ص ۶۳) ستمبر ۱۹۴۹ء (ص ۱۳) اکتوبر ۱۹۵۰ء (ص ۴۰) ستمبر ۱۹۵۱ء (ص ۵۲، ۶۰) جولائی ۱۹۵۶ء (ص ۳۰)

جناں برکف ہوائیں یاد آئیں
مدینے کی فضائیں یاد آئیں
سنہری جالیاں پیشِ نظر ہیں
سلاموں کی صدائیں یاد آئیں
قبا کا وہ سفر، وہ رہ گزاریں
وہ صحرائی ہوائیں یاد آئیں
چٹانیں سرخ وہ کوہ احد کی
شہابی وہ فضائیں یاد آئیں
وہ گلیوں میں ہجوم جاں نثاراں
وہ ایمانی ادائیں یاد آئیں
مدینے سے جدائی کا تصور
مقدر کی جفائیں یاد آئیں
قدم اٹھے ضیاؔ سوئے مدینہ
جب آقا کی عطائیں یاد آئیں

......☆......

روضۂ انور کے مینارے نظر آنے لگے
روز روشن میں یہ مہ پارے نظر آنے لگے
بدر کے نوشاہ گزرے چاندنی میں جس طرف
ذرے ان گلیوں کے مہ پارے نظر آنے لگے

D:Sabhi\NaatRang-14
File:Makala6
Final

رحمت عالم نے بخشا بے کسوں کو یہ وقار
چارہ ساز خلق بے چارے نظر آنے لگے
دست شہ میں کلمہ طیب پڑھا چمکے نصیب
سنگریزے تھے، گہر پارے نظر آنے لگے

سلامِ ضیا

ماہنامہ ''آستانہ'' کے قریباً ہر شمارے میں مولانا ضیاء القادری کا ایک سلام ضرور شائع ہوتا رہا۔ تفصیل درج ذیل ہے:

نومبر ۱۹۴۹ء (ص ۲) جنوری ۱۹۵۰ء (ص ۱۹) مارچ ۱۹۵۱ء (ص ۲) اکتوبر ۱۹۵۲ء (ص ۲۵) جون ۱۹۵۳ء (ص ۸) اگست ۱۹۵۳ء (ص ۱۰) ستمبر ۱۹۵۳ء (ص ۸) نومبر ۱۹۵۳ء (ص ۸) اپریل ۱۹۵۵ء (ص ۱۹، ۳۴) مارچ ۱۹۵۸ء (ص ۱۷، ۱۸، ۳۲) اپریل ۱۹۵۸ء (ص۱۹) مئی ۱۹۵۸ء (ص۱۹) فروری (۲۵، ۴۶، ۲۸) جون ۱۹۵۹ء (ص ۲۵) دسمبر ۱۹۵۹ء (ص ۲۷) فروری ۱۹۶۰ء (ص ۲۷، ۴۵) فروری ۱۹۶۱ء (ص۲۹) مارچ ۱۹۶۱ء (ص ۲۹) اگست ۱۹۶۱ء(ص۲۹) ستمبر ۱۹۶۱ء (ص ۲۹) اکتوبر ۱۹۶۱ء(ص۲۵) جولائی ۱۹۶۲ء (ص۵) اگست ۱۹۶۲ء (ص۱۵) فروری ۱۹۶۳ء (ص۵) اپریل ۱۹۶۶ء (ص۵) جولائی ۱۹۶۶ء (ص۵) مارچ ۱۹۶۷ء (ص۵) نومبر ۱۹۶۷ء (ص۵) ستمبر ۱۹۶۸ء (ص۵) ستمبر۱۹۵۳ء (ص۸) جولائی۱۹۵۵ء (ص۱۷،۱۸) جون ۱۹۵۶ء (ص۱۹) اپریل ۱۹۵۷ء (ص۱۷) جون ۱۹۶۰ء (ص۲۹) جولائی ۱۹۶۰ء (ص۲۹) اگست ۱۹۶۰ء (ص۲۹) ستمبر ۱۹۶۰ء (ص۲۹) اکتوبر ۱۹۶۰ء (ص۲۹) نومبر ۱۹۶۰ء (ص۲۹) دسمبر ۱۹۶۰ء (ص۳۱) جنوری ۱۹۴۸ء (ص۲) فروری ۱۹۴۸ء (ص۱۱، ۱۵) مارچ ۱۹۴۸ء (ص۶) اپریل ۱۹۴۸ء (ص۲) مئی ۱۹۴۸ء (ص ب) جون ۱۹۴۸ء (ص۲) جولائی ۱۹۴۸ء (ص۲، ۷۸) اگست ۱۹۴۸ء (ص۲) دسمبر ۱۹۴۸ء (ص۲) جون ۱۹۴۹ء (ص۲) ستمبر ۱۹۴۹ء (ص۶) اکتوبر ۱۹۴۹ء (ص ۷، ۴۰) دسمبر ۱۹۴۹ء (ص۲) جنوری ۱۹۵۰ء (ص۲) فروری ۱۹۵۰ء (ص۱۰) مارچ ۱۹۵۰ء (ص۲) اپریل ۱۹۵۰ء (ص۲) مئی ۱۹۵۰ء (ص۲) جون ۱۹۵۰ء (ص۲) جولائی ۱۹۵۰ء (ص۲) اگست ۱۹۵۰ء (ص۲) ستمبر۱۹۵۰ء (ص۲) اکتوبر ۱۹۵۰ء (ص۲) دسمبر ۱۹۵۰ء (ص۲) جنوری ۱۹۵۱ء (ص۲) فروری ۱۹۵۱ء (ص۲) اپریل

۱۹۵۱ء (ص۲) مئی ۱۹۵۱ء (ص۲) جون ۱۹۵۱ء (ص۲) جولائی ۱۹۵۱ء (ص۲۳، ۲۶) مارچ ۱۹۵۱ء (ص۲) اپریل ۱۹۵۱ء (ص۲) اگست ۱۹۵۱ء (ص۲) ستمبر ۱۹۵۱ء (ص۲) اکتوبر ۱۹۵۱ء (ص۲) نومبر ۱۹۵۱ء (ص۲) دسمبر ۱۹۵۱ء (ص۲) جنوری ۱۹۵۲ء (ص۲) فروری ۱۹۵۲ء (ص۲) مارچ ۱۹۵۲ء (ص۷) اپریل ۱۹۵۲ء (ص۲) مئی ۱۹۵۲ء (ص۲) جون ۱۹۵۲ء (ص۲) جولائی ۱۹۵۲ء (ص۱) اگست ۱۹۵۲ء (ص۲) ستمبر ۱۹۵۲ء (ص۲) جنوری ۱۹۵۳ء (ص۱۰) فروری ۱۹۵۳ء (ص۸) نومبر ۱۹۵۲ء (ص۲) دسمبر ۱۹۵۲ء (ص۱۸) نومبر ۱۹۵۳ء (ص۸) دسمبر ۱۹۵۳ء (ص۹) جنوری ۱۹۵۴ء (ص۸، ۲۲) مارچ ۱۹۵۴ء (ص۸۲) اپریل ۱۹۵۴ء (ص۳۹) جنوری ۱۹۵۵ء (ص۲۱) فروری ۱۹۵۵ء (ص۱۷) مارچ ۱۹۵۵ء (ص۱۹، ۸۱) اپریل ۱۹۵۵ء (ص۱۹) مئی ۱۹۵۵ء (ص۱۹) جون ۱۹۵۵ء (ص۱۹) جولائی ۱۹۵۵ء (ص۱۷، ۱۸) اگست ۱۹۵۵ء (ص۱۷) ستمبر ۱۹۵۵ء (ص۱۷، ۲۷) اکتوبر ۱۹۵۵ء (ص۱۷، ۲۳) دسمبر ۱۹۵۵ء جنوری ۱۹۵۶ء (ص۱۷) فروری ۱۹۵۶ء (ص۱۷) مارچ ۱۹۵۶ء (ص۱۷، ۳۵) اپریل ۱۹۵۶ء (ص۱۹) مئی ۱۹۵۶ء (ص۱۹) جون ۱۹۵۶ء (ص۱۹) جولائی ۱۹۵۶ء (ص۱۹) اگست ۱۹۵۶ء (ص۱۷، ۱۸) ستمبر ۱۹۵۶ء (ص۱۷) اکتوبر ۱۹۵۶ء (ص۱۷)۔

مولانا ضیاء القادری کا ہر سلام کئی کئی بندوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ ذیل میں چند سلاموں کا ایک ایک بند نمونہ کے طور پر نذرِ قارئین ہے:

تاجدار جہاں نواز! سلام علیک
بادشاہ حریم ناز! سلام علیک
عاشق رب بے نیاز! سلام علیک
بے نواؤں کے چارہ ساز! سلام علیک
سرور انس و جاں! سلام علیک
ہادی دو جہاں! سلام علیک

......☆......

نرغۂ اغیار میں ہیں ہم حضورﷺ
ہم سے کل عالم ہے بر ہم یا حضورؐ
ہم پہ حملے ہوتے ہیں پیہم حضورﷺ
کہتی ہے امت یہی ہر دم حضورﷺ

السلام اے ظلِ رحمان السلام
السلام اے نورِ یزاں السلام

......☆......

جن و بشر، رسل، ملک کرتے ہیں آپ کو سلام
شمس و قمر، زمیں، فلک کرتے ہیں آپ کو سلام
کون و مکاں، بغیر شک کرتے ہیں آپ کو سلام
شاہ و گدا سب آج تک کرتے ہیں آپ کو سلام
شاہِ سریرِ لامکاں، عرش نشیں سلام لو
شمعِ حریم ''کن فکاں'' نورِ مبیں سلام لو

......☆......

بیکس و نادار ہیں محکوم ہیں سرکار ہم
ہیں نگاہِ اہلِ دنیا میں ذلیل و خوار ہم
ملتجی ہیں آپ سے اے سیدِ ابرار ہم
دیکھتے ہیں بابِ رحمت کی طرف ہر بار ہم
یا محمد مصطفیٰ ہوں آپ پر لاکھوں سلام
یا حبیبِ کبریا ہوں آپ پر لاکھوں سلام

......☆......

سلام اے عرش کی آنکھوں کے تارے
سلام اے آمنہ کے ماہ پارے
سلام اے غم نصیبوں کے سہارے
سلام اے حامی و مونس ہمارے
سلام اے تاجور اے تاج والے
سلام اے مصطفیٰ معراج والے

......☆......

انجم و مہر و ماہتاب، کرسی و عرش و آسماں
خلد و بہشت و لا مکاں، حور و قصور، انس و جہاں

شاخ و شجر، گل و ثمر، باغ و بہار و بوستاں
روز فضائے دیر میں رہتے ہیں یوں سلام خواں
سرورِ کائنات پر لاکھوں درود اور سلام
شاہِ رُسل کی ذات پر لاکھوں درود سلام

......☆......

سلام اے رحمت للعالمیں محبوب ربانی
سلام اے آمنہ کے چاند عبداللہ کے جانی
سلام اے روشنی بخش چراغ کعبہ و اقصیٰ
سلام اے مصطفیٰ شمع حریم بزم سبحانی

دورد و سلام

ستمبر۱۹۵۳ء (ص۲۲) جون ۱۹۵۹ء (ص۲۶) فروری ۱۹۶۰ء (ص۳۸) جنوری ۱۹۶۱ء (ص۴۶) فروری ۱۹۶۱ء (ص۳۰، ۴۱) مارچ ۱۹۶۱ء (ص۴۱،۴۲) ستمبر ۱۹۶۱ء (ص۴۱،۵۷) اکتوبر ۱۹۶۱ء (ص۴۶) جنوری ۱۹۶۳ء (ص۵،۴۸) فروری ۱۹۴۳ء (ص۴۱) اپریل ۱۹۶۴ء (ص۳۲) مئی ۱۹۶۴ء (ص۵) اپریل ۱۹۶۶ء (ص۶۳،۶۴) جون ۱۹۶۶ء (ص۳۹) جولائی ۱۹۶۶ء (ص۳۶) جون ۱۹۶۷ء(ص۵) فروری ۱۹۶۸ء (ص۳۹) ستمبر ۱۹۶۸ء(ص۳۹) ستمبر ۱۹۶۰(ص۵۵،۶۲) دسمبر۱۹۶۰ء(ص۵۲) فروری ۱۹۴۸ء (ص۱۲) اگست ۱۹۴۸(ص۴۵) ستمبر ۱۹۴۸(ص۶،۷۳) دسمبر ۱۹۴۹ء (ص۱۶) فروری ۱۹۵۰ء (ص۲۷) جون ۱۹۵۱ء (ص۷۲) جولائی ۱۹۵۱ء (ص۵۲) نومبر ۱۹۵۱ء (ص۱۰) مئی ۱۹۵۲ء ۰ص۲) مارچ ۱۹۵۳ء (ص۱۹) دسمبر ۱۹۵۲ء (ص۸) جنوری ۱۹۵۴ء (ص۵۷) مئی ۱۹۵۴ء (ص۱۷) جون ۱۹۵۴ء (ص۱۷) فروری ۱۹۵۵ء (ص۳۷) مئی ۱۹۵۵ء (ص۳۴) مئی ۱۹۵۷ء(ص۲۳،۳۲) جون ۱۹۵۸ء (ص۳۷) فروری ۱۹۶۲ء (ص۴۳) جون ۱۹۶۲ء (ص۱۵)

السلام اے مصطفیٰ سلطان بزم کائنات
السلام اے مجتبیٰ آئینہ دار نور ذات
السلام اے احمد و محمود و حامد، خوش صفات
السلام اے ہادیِ کونین، اے راز نجات

یامویدِ   مجد   الصلوٰۃ   والسلام
یامحمد!   یامحمد   الصلوٰۃ   والسلام

......☆......

رحمت عالم خاصۂ یزداں صلی اللہ علیہ وسلم
شاہ رسل، پیغمبر ذی شاں صلی اللہ علیہ وسلم
عفو و عطا فرمانے والے، روز جزا کام آنے والے
شافع محشر، مالک میزاں صلی اللہ علیہ وسلم
نور مجسم، سرور ذی شاں، آپ کی رحمت آپ کا احساں
شان نزول سورۂ رحمٰں صلی اللہ علیہ وسلم
حکم فرشتوں کو ہے صدا دیں، پائیں گے سب منہ مانگی مرادیں
مانگیں دعا کہہ کہہ کے مسلماں ''صلی اللہ علیہ وسلم''
سب سے نکما سب سے برا ہے لیکن نازاں اس پہ ضیا ہے
میرا نبی ہے شافع عصیاں صلی اللہ علیہ وسلم

......☆......

وجہ تخلیق کون و مکاں آپ ہیں
راز تکوین بزم جہاں آپ ہیں
شہر یار زمین و زماں آپ ہیں
رونق باغ خلد و جناں آپ ہیں
یا محمد شہنشاہ جن و بشر! ہوں ہزاروں درود و سلام آپ پر
یا حبیب خدا، عرش کے تا جور ہوں ہزاروں درود سلام آپ پر

......☆......

ہوں رسول خدا پر درودو سلام
ہوں شہ دوسرا پر درودو سلام
سیّدالانبیا پر درودو سلام
سب پڑھیں مصطفیٰ پر درود دو سلام
آپ پر یا محمد! درودو سلام

ہر مسلمان کو نور ایمان دو، دولت عشق ربّ حب رحمان دو
شوق اسلام دو، ذوق عرفان دو، اپنے انوار کی ہم کو پہچان دو
رغبت درس تدریس قرآن دو، اپنے عشاق کو شوکت و شان دو
نا تواں بازوؤں میں مرے جان دو، اپنی الفت مجھے، اے میں قربان دو
تم ہو محبوب رب نور ذات خدا، تم پہ ہر آن لاکھوں درودو سلام

......☆......

لاکھوں درود اور سلام آپ کی نیک ذات پر
لاکھوں درود اور سلام آپ کی سب صفات پر
لاکھوں درود اور سلام آپ کے معجزات پر
لاکھوں درود اور سلام آپ کی بات بات پر
آپ پر یا نبی! مدام، لاکھوں درود اور سلام
آپ پہ یاشہ انام! لاکھوں درود اور سلام

......☆......

شاہ رُسل سلطان دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم
شافع امت، شاہداعظم صلی اللہ علیہ وسلم
بزم رسل میں، حق کی نظر میں، حور ملائک جن و بشر میں
آپ ہیں سب سے افضل و اکرام صلی اللہ علیہ وسلم
بدر و حنین و خندق و خیبر آپ کی شہ زوری کے ثناگر
فتح بداماں آپ کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم
ہے یہ تمنا، ہے یہی ارماں، آپ کے در پر اے شہ ذیشان
بہر سلامی حاضر ہوں ہم صلی اللہ علیہ وسلم
ہے یہ ضیا کو شام و سحر دھن عرض سلطان امم سن
عشق مدینہ دل سے نہ ہو کم صلی اللہ علیہ وسلم

D:Sabhi\NaatRang-14
File:Makala6
Final

"مدینہ" ردیف کی نعتیں

نومبر ۱۹۵۳ء (ص ۳۸) اپریل ۱۹۵۸ء (ص۳۷) مئی ۱۹۵۸ء (ص۳۷)

فروری۱۹۵۹ء (ص۳۹) جون ۱۹۵۹ء (ص۴۶) دسمبر ۱۹۵۹ء (ص۶۰) اپریل ۱۹۶۱ء (ص۴۸) جولائی ۱۹۶۲ء (ص۴۸، ۵۷) جنوری ۱۹۶۳ء (ص۳۴) فروری ۱۹۶۳ ء (ص۵۲) اپریل ۱۹۶۴ء (ص۴۸) مئی ۱۹۶۴ء (ص۶۲) مارچ ۱۹۶۵ء (ص۴۴) جون ۱۹۶۶ء (ص۴۰) جون ۱۹۶۷ء (ص۵۴) فروری ۱۹۶۸ء (ص۴۰، ۴۴) ستمبر ۱۹۶۸ء (ص۳۹) جون ۱۹۵۷ء (ص۲۴، ۴۷) جون۱۹۶۰ء(ص۵۴، ۷۱) جولائی ۱۹۶۰ء (ص۴۹) نومبر ۱۹۶۰ء (ص۵۶) دسمبر ۱۹۶۰ء (ص۵۷) فروری ۱۹۴۸ء (ص۲۴) مارچ ۱۹۴۹ء (ص۴۰، ۵۲، ۵۴) اپریل ۱۹۴۸ء (ص۷۱) جون ۱۹۴۸ء (ص۴۱، ۵۰) اگست ۱۹۴۸ء (ص۳۹، ۶۰، ۷۸) ستمبر ۱۹۴۸ء (ص۳۲، ۳۷، ۴۰) اکتوبر ۱۹۴۹ء (ص۴۳) نومبر ۱۹۴۸ء (ص۴۷) دسمبر ۱۹۴۸ء (ص۱۶) جون ۱۹۴۹ء (ص۳۰) اگست ۱۹۴۹ء (ص۴۷) اکتوبر۱۹۴۹ء (ص۵۳، ۷۰) دسمبر ۱۹۱۵ء (ص۶۹) مئی ۱۹۵۲ء (ص۱۸، ۲۹) فروری ۱۹۵۳ء (ص۶۵) مارچ ۱۹۵۳ء (ص۳۰) فروری ۱۹۵۴ء (ص۶۵) مئی ۱۹۵۴ء (ص۱۸) جون ۱۹۵۴ء (ص۴۰) جولائی ۱۹۵۶ء (ص۳۴،۴۲) جنوری ۱۹۵۷ء (ص۳۷، ۴۴) مئی ۱۹۵۷ء (ص۲۴) جون ۱۹۵۷ء(ص۲۴) فروری ۱۹۵۹ء (ص۳۹) اپریل ۱۹۵۸ء (ص۳۷) مئی ۱۹۵۸ء (ص۳۸) جنوری ۱۹۶۲ء (ص۵۲) اپریل ۱۹۶۲ء (ص۵۴) مئی ۱۹۶۲ء (ص۴۲، ۴۸) اکتوبر۱۹۶۲ء (ص۵۶)۔

زہے شان عزو علائے مدینہ
محمد ہیں صرف ثنائے مدینہ
مدینہ کی گلیوں میں کرتے ہیں پھیری
فرشتے بطور گدائے مدینہ
لطافت، نفاست، شرف، سربلندی
یہ سب خوبیاں ہیں برائے مدینہ

......☆......

ہے موسم حج شاد ہیں زوار مدینہ
شاداب بہاروں سے ہے گلزار مدینہ
کشکول گدا، گوہر مقصود سے بھردے
دربار ہوائے ابر گہر بار مدینہ

خود درد مرے درد جدائی کی دوا ہے
قسمت کا ہوں اچھا کہ ہوں بیمار مدینہ
پھر مجھ کو دوبارہ در رحمت پہ بلالو
سرکار مدینہ، مرے سرکار مدینہ

D:Sabhi\NaatRang-14
File:Makala6
Final

نعت اور رشید احمد صدیقی

رشید احمد صدیقی ہمارے علم و ادب کا ایک نہایت محترم نام ہے۔ ان کی تحریروں میں کچھ ایسے اہم نکات پر گفتگو ملتی ہے جو سنجیدہ علمی و فکری مباحث کے ذیل میں آتے ہیں۔ آئندہ سطور میں صدیقی صاحب کی دو تحریروں سے ایسے اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں جن میں انھوں نے نعت کے حوالے سے بات کی ہے۔ ان اقتباسات کی مکرر اشاعت اس خواہش کے پیشِ نظر کی جا رہی ہے کہ نئے لوگ ان سے روشنی حاصل کریں۔ علاوہ ازیں یہ بھی دیکھا جائے کہ یہ نکات ہم عصر نعتیہ صورتِ حال میں کس معنویت کے حامل ہیں۔ (ادارہ)

(۱)

نعت کہنا آسان نہیں ہے، یہ نعت کی خوش نصیبی ہے۔ نعت گویوں کو سراہنے والے بہت مل جاتے ہیں یہ نعت کی بدنصیبی ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ سے عام شعرا جس عقیدت کا اظہار کرتے ہیں وہ رسمی یا مذہبی زیادہ ہوتے ہے، شخصی بہت کم۔ نعت ہی نہیں دوسری اصنافِ سخن کا بھی یہی حال ہے، اس لیے ہمارے ہاں کی شاعری زیادہ تر ڈھرے کی شاعری ہو کر رہ گئی ہے۔

آج سے پہلے حمد و نعت میں کچھ نہ کچھ کہنا ہر شاعر کے لیے ضروری ہوتا تھا، ظاہر ہے اس کا نتیجہ کیا ہوتا۔ خدا ہو، رسول ﷺ ہوں، کوئی ہو، جب شاعر کو اُس سے شخصی شغف نہ ہوگا بات نہ بنے گی۔ کبھی بہت زیادہ اب بہت کم۔ نعتیہ شاعری پر وجد یا رقص کرنا بعضوں کے نزدیک عبادت، ورنہ خوش اطواری یا وضع داری سمجھی جاتی تھی۔ سماع کی محفلوں میں آپ نے کیسے کیسے بے سروپا گانوں یا اشعار پر لوگوں کو ''دست افشاں و پائے کوباں'' دیکھا ہوگا۔

D:Sabhi\NaatRang-14
File:Makala7.inp
Final

میں یہ نہیں کہتا کہ نغمہ یا نعت کا اثر نہیں ہوتا، میں تو صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ لایعنی اشعار یا گانے پر سر دُھننا کوئی سلیقے کی بات نہیں ہے، خواہ وہ اشعار یا نغمے خدا ہی کے سامنے کیوں نہ پڑھے یا گائے جائیں۔ میرا تو یہاں تک خیال ہے کہ گھٹیا شعر بڑھیا سے بڑھیا گانے کو چوپٹ کر دیتا ہے۔ ایسے اشعار یا ایسے گانے پر بھی اگر کوئی رقص یا وجد کرے اور یہ بتائے کہ یہ عبادت ہے تو پھر میں کچھ نہ کہوں گا، سوا اس کے کہ عبادت کا میں بھی قائل ہوں، لیکن اس پر تیار نہیں ہوں کہ عبادت آپ کریں اور خوں بہا میں ادا کروں۔

اردو نعت میں، میں چند بزرگوں کا قائل ہوں، مثلاً حالؔی مرحوم، اصغر گونڈوی مرحوم اور حضرت اقبالؔ مغفور کا، جہاں تک شاعرانہ حسن آفرینی و حسن کاری کا تعلق ہے میں محسؔن کاکوروی مرحوم کے کمال کا بھی معترف ہوں، کیسی پرخار و پرخطر راہوں سے کس لطف و مشاقی سے یہ گزرے ہیں کہ بے اختیار دل سے تحسین نکلتی ہے، لیکن محسؔن کے ہاں صناعی ہے، سپردگی نہیں، تخئیل کی رعنائی ہے، رُوح کی وارفتگی نہیں۔ سخن ہے، شغف نہیں۔

اصغر مرحوم کی شاعری میں نزہت و نور کی جو فضا ہے وہ اُن کی شخصی تاثرات سے مل جل کر نعت میں جلوہ گر ہوئی ہے، غالباً ایک ہی نعت کہی ہے اور خوب کہی ہے۔

حالؔی مجسم انسانیت تھے، پھر رحمتِ عالم ﷺ کے حضور میں! اردو نعت میں آج تک نظم کہی گئی ہو یا نثر حالؔی کی نعت کا جواب نہ ہوا، ایک سے ایک سحر طراز آئے لیکن حالؔی سے نہ آگے بڑھ سکے نہ روگرداں ہو سکے، مستفید سبھی ہوئے۔

اقبالؔ کو رسالت مآب ﷺ سے جو شخصی والہانہ عقیدت تھی وہ طرح طرح سے اُن کے کلام میں جلوہ گر ہے۔ مجھے اکثر یہ محسوس ہوا ہے کہ اقبالؔ کے کلام کا وزن وقار اور حسن و جلال رسولِ عربی ﷺ ہی کی گراں مایہ شخصیت کے محور پر گردش کرتا ہے اور یہی وہ قوت ہے جو اُن کے کلام میں کبھی کہیں سے ڈھیلا پن نہیں آنے دیتی۔

اقبالؔ کے بعض نکتہ چیں یہ کہتے ہیں کہ اقبالؔ پر مذہب کی گرفت ہے، یہ اعتراض سطحی اور اصطلاحی ہے دراصل اقبالؔ پر سب سے بڑے انسان کی گرفت ہے، سب سے بڑے مذہب کی نہیں۔ اور اقبالؔ کا یہ اتنا بڑا امتیاز ہے جو صرف بہت ہی بڑے اشخاص یا شعرا کے حصے میں آیا ہے۔

نعتیہ کلام کی محرومی یہ رہی کہ ہمارے بیشتر شعرا نے اسے ایک مقدس رسم سمجھ کر

اختیار کی اور سننے والوں نے ثواب کی خاطر آہ یا واہ کرلی۔ اس طرح کے کلام، اس طرح کے شعرا اور اس طرح کے مقاصد نے مل جل کر نعت کو شریفوں یا شاعروں کا شیوہ نہیں، میراثیوں کا پیشہ بنا دیا۔

(ماخوذ ''گلبانگِ حرم'' از حمید صدیقی، مطبوعہ نامی پریس، لکھنؤ، ۱۳۷۰ھ)

(۲)

اقبالؔ کا نعت گوئی کو میلاد ناموں اور میلاد خوانوں کی گرفت سے نکال کر کلاسیکی مرتبے پر پہنچا دینا معمولی بات نہیں اور کتنی عجیب بات یہ ہے کہ اسلامی ممالک کے شعرا نے اس صنف کو کیوں نظرانداز کر دیا۔ ایران اور عرب سے قطع نظر غالباً دوسرے ممالک میں شعر و ادب سے بیگانگی کا یہ نتیجہ ہے۔ کیسے کہا جائے کہ بیشتر مسلم ممالک اقبالؔ کے اس قول سے گر مصطفٰی نہ رسی تمام بولہبی است سے ناواقف تھے۔

عشقِ رسول اقبالؔ کے کلام و پیام اور خود ان کے وجودِ شعری کی روح ہے۔ عربی، فارسی اور اردو شاعری میں جتنے قابلِ لحاظ شعرا گزرے ہیں کم و بیش سب نے اپنی بساط کے مطابق بارگاہِ رسالت میں عقیدت و ارادت کے نذرانے پیش کیے ہیں۔ نعت ہمارے شعر و ادب کی قابلِ قدر روایت بن گئی ہے۔ ایسی روایت جو شاعری میں عبادت کے عنصر و عوامل کے ساز و برگ کا سامان بہم پہنچاتی ہے۔ نعت کو شاید کسی اور مذہب و ملت میں وہ اہمیت حاصل نہ ہو جو ہمارے شعر و ادب میں ہے۔ نعت کے قدیم کو نعت کے جدید سے قریب لانے، اس کو مقصد دینے، متحرک کرنے اور رکھنے کی ابتدا حالیؔ نے کی ہے جسے اقبال نے اس درجے تک پہنچا دیا، جس سے آگے پہنچانا اب کسی دوسرے ہی اقبال کا کارنامہ ہوگا اور مستقبل بعید تک کسی دوسرے اقبال کا ظہور پانا آسان نہیں معلوم ہوتا۔

(''شخصیات و ادبیات''، تالیف سیّد معین الرحمٰن، مطبوعہ ۱۹۹۵ء، لاہور)

ابو سعادت جلیلی۔ کراچی

سعد اللہ مسیح جہانگیری کی فارسی نعتیں

(''رامائن'' مسیحی کے نعتیہ قصائد اور ''پیغمبر نامہ'' مسیح)

ا۔ تعارف ''پیغمبر نامۂ'' مسیح پانی پتی

''پیغمبر نامہ''☆[۱] اگو ''رامائن مسیحی'' کے بعد کی مثنوی ہے چوں کہ مستقل بالذات تصنیف لطیف ہے اس لیے اس تخلیق کے موضوع کی علی الخصوص مناسبت سے ''رامایِن مسیحی'' کے نعتیہ قصائد سے پیش تر اس کی تعارفی جائزہ نگاری ناگزیر محسوس ہو رہی ہے۔ نسخۂ لاہور کے معلوم کوائف سے جیسا کہ عیاں ہے ''پیغمبر نامہ'' کا سالِ تصنیف ہے ۱۰۵۰ھ، جس کا ثبوت اختتامی شعر ہے:☆[۲]

که کردم تمام ایں کتاب غریب بجستیم تاریخ وی از مجیب
ندا کرداندر دلم لطف او که سال تمامش معظم بگو

تاہم ''مسیح جہانگیری'' نے شاہ جہانی دور میں اس مایۂ ناز ادب پارے کے معرضِ تحریر میں آنے کی طرف سے بسم اللہ کے ساتویں شعر میں اشارہ کردیا تھا:

بزرگی دہِ تحت شاہنشہاں
جہاں داری آموز شاہِ جہاں☆[۳]

''پیغمبر نامہ'' کے ابتدائی دو اور آخری دو صفحوں سے عکس فاضل مکرم حضرت سیّد جمیل احمد رضوی ناظمِ اعلیٰ کتب خانہ جامعہ پنجاب نے عطا کیا ہے جس کی بنا پر اس کارنامۂ مسیح سے متعارف ہونے اور اس قدر سہی اس کا افادۂ عام کرنے کی بھی بالترتیب سعادت اور توفیق اس حقیر کو نصیب ہو رہی ہے۔ اسی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شاعر کے پیش رو منظومۂ رامائن مسیحی کی تین نعتوں کی بھی تجزیہ کاری مناسب حال معلوم ہوتی ہے کہ ان ہم مضمون اشعار کا

D:NaatRang4
File :Makala8
Final

ساتھ ساتھ مطالعہ لطفِ کلام کو دوبالا ہی نہیں دو آتشہ کر دے گا۔ البتہ اس فرق کی رعایت ضرور ملحوظِ خاطر رہنی چاہیے اور ذہن نشین بھی کہ مصنف نے ابتدائی مثنوی ''رامائن مسیحی'' میں نعتیں محض رسماً ہی اضافہ نہیں کیں بلکہ بطور شاعرانہ تحدیثِ نعمت، جب کہ ''پیغمبر نامہ'' کو اس نے حضرت رسولِ مقبول کی سیرتِ مبارک پر مستقلاً تخلیق کیا اس طرح کلام یا نظم کے ہم موضوع ہونے کی قدر مشترک کے باوصف ''پیغمبرنامہ'' کی ان نعتیہ قصیدوں کے مقابلے میں قیمت و قدر صاف واضح طور پر اور خوب نمایاں ہوتی ہے۔ ''پیغمبر نامہ'' کے مصلہ ابتدائی و آخری اشعار کو اوّلیت یہاں اس لیے بھی بامرِ مجبوری سہی حاصل ہے کہ مکمل قلمی کتاب فی الحال زیرِ اکتساب نہیں ہے اور یہ مختصر مفید نمونہ ہی پیش نگہ ہے۔ مزید برآں اس ترجیح کا باعث یہ بھی ہے کہ سعداللہ مسیح پانی پتی اور اس کی منظوم تصنیفات کے تعارف میں اس تحقیق کے آئندہ ابواب میں اس کی اوّلین مثنوی سے متصل و مربوط بلکہ ہم رشتہ رہیں گے۔ ''پیغمبرنامہ'' کے ان ابتدائی اشعار کی تعداد چھتیس (۳۶) ہے اورآخری دو صفحات کے شعر ستائیس (۲۷) عدد واقع ہوئے ہیں۔

۲۔ ''پیغمبرنامہ'' کی بسم اللہ

''پیغمبرنامہ'' میں بھی آغازِ کلام روایتی طریق پر حمدیہ مضمون سے ہوتا ہے لیکن مسیح کی طباعی اور ذہنی رسائی نے حمد باری تعالیٰ میں نکات آفرینی کے ایسے جوہر دکھائے کہ کسی طرح بھی یہ افتتاحی اشعار رسمی سی سطح یا حیثیت کے حامل نہیں ہوئے۔ مسیح کی طبع رسا نے انسانی تاریخ کے طرح طرح کے حوالوں کے جا بہ جا استعمال کے پہلو بہ پہلو حمدیہ قصیدے کو اسماء الحسنٰی سے برجستہ و بے ساختہ سے اورغایت درجہ بامعنی انداز میں معمور کردیا۔ زیرِ اقتباس متن میں کم و بیش پچہتر عدد اسمائے الٰہی کو شاعر نے نگینوں کی طرح جڑ دیا ہے جس سے کلام کے لغوی حسن اور باطنی محاسن میں بھی اس شان سے اضافہ ہوا ہے کہ اس کی مضامین آفرینی بے حد داد طلب ہوگئی ہے۔ ''پیغمبرنامہ'' مسیح کا مہتم بالشان افتتاحیہ اوّلاً ملاحظہ کیجیے جس میں اس نے مظاہرِ فطرت اور تواریخی عوامل کی حسن کارانہ آمیخت کی ہے۔☆[۴]

به بسم اللہ آغاز ہر کارکن — سر انجامِ توحید دادار☆[۵] رکن
بنا بنام فرستندۂ جبرئیل — رہا نندہ کعبہ ز اصحاب فیل

نگارندۂ گنبد زر نگار — برآرندۂ برج نیلی حصار
کریمِ ازل، اکرم الاکرمین — رحیم ابد، ارحم الراحمین
نبوت باعجاز او سرفراز — ولایت بخارق ازو دل نواز
رسالت دہِ عصمت انبیاء — کرامت دہ حرمت اولیا
بزرگی دہ تختِ شاہنشہاں — جہاں داری آموز شاہِ جہاں ☆[۶]
منور کن چشم خورشید و ماہ — بہ نیک و بد روز و شب دو گواہ
چراغِ نظر را فروزد بآب — چو چشم و چراغ جہاں آفتاب
دہد خاکیِ راہ چناں دستگاہ — کہ ساز و قصب ☆[۷] برفلک جیب ماہ
بیار اید از رنگ، گل ہا چمن — چو از شمع جاں نور فانوس تن
بر افروزد از آتش نخل طور — بہر کنگرہ عرش قندیل نور
ز ژالہ دریں گلشن آب و گل — نہد لالہ را پنبہ بر داغ دل
فرو شوید از شبنم صبح گاہ — سیہ روی لالۂ بے گناہ
ز شبنم چکاند مئے خوش گوار — کہ نرگس نہ بیند ز مستی خمار
زند شمع را عشق آتش بدل — کند خون پروانہ بروی بحل
چو خشم وی آرد عتاب گراں — نہد آرہ بر فرق پیغمبراں
کہ از خوان لطفش شدی بہرہ یاب — کجا امت لوط گشتی خراب
اگر دست قدرت نبارد بروں — کہ در ناف آہو کند مشک خون
دگر لطف عامش نمودی درنگ — فراخی کہ داری بدل ہاے تنگ

۳۔ اسمائے حسنٰی کا استعمال

ان اوّلین بیس شعروں کے بعد اللہ تبارک وتعالٰی کے متعدد ذاتی و صفاتی ناموں کے استعمالات میں مسیح نے صوری و معنوی حسن کی ایک کہکشاں سی تخلیق کرکے دکھا دی ہے۔ آئندہ سولہ عدد اشعار اسی صنعت گری بلکہ کمالِ فن کے مظہر ہیں:

کریم و احد، اوّل و آخر اوست — علیم و صمد، باطن و ظاہر اوست ☆[۸]
سمیع و بصیرو نصیر و قدیر — بدیع و کبیر و لطیف و بصیر

D:NaatRang14
File :Makala8
Final

رحیم و مجید و علیم و معید　　　غفور و شکور و حمید و شہید
معز و مذل، باسط و قابض است　　　غنی مغنی و معطی و حافظ است
ولی و قوی، حیّ و قیوم نور　　　حق و نافع و ضار و بر و صبور
الہ است و ہو واحد و واجد است　　　مقدم، موخر، مذل، ماجد است
قدیم است و قدوس و سبوح نیز　　　عظیم و حفیظ است و بدوح نیز
ودود و ملک خالق و رازق است　　　علی محصی و مبری وحاذق است
شبانہ مجیبِ مناجات ما　　　بروزانہ قاضیِ حاجات ما
بہر کس رقیب و بہر دل قریب　　　زہرِ دل نجیب و زہر کس مجیب زہر
بہر نیت و قصد مقصود اوست　　　کہ موجود، معبود و مسجود اوست
تکبر ترا زیبد اے بے ہمال　　　تبارک تعالیٰ توئی ذوالجلال
قوی و حکیم حاضر و ناظری　　　معین و مُبیّن، قادر و ناصری
توئی جامع و جامعہ ماہمہ　　　توئی واسع و صانع ماہمہ
توئی مالک الملک و ربّ الجلیل　　　توئی عالم الغیب و فرد وکیل
توئی تو کہ بی چونی و بی چگون　　　توئی تو کہ بی شبہی و بی نمون

مسیح کے ہاں اسمائے حسنٰی کا یہ بے ساختہ ضبطِ تحریر میں آنا آگے جاری ہے جیسا کہ سلسلۂ کلام سے بہ حسن وخوبی مظہر ہے۔ متصل اوراق کی عدم دستیابی سے یہ فہرس اتمام کو نہیں پہنچ سکی ہے لیکن شاعر کی مضمون آفرینی شاہد ہے کہ پورے ننانوے عدد الوہی ناموں کی تکمیل فوری بعد کے اشعار میں ہوئی ہے۔ حسن اتفاق کہ ''پیغمبرنامہ'' میں سعداللہ مسیح نے اختتامیۂ کتاب کو بھی حمدیہ اسلوب بخش دیا ہے جو آخری دو اوراق سے منقول ذیل کے اشعار سے ظاہر ہے۔

۴۔ اختتامیہ ''پیغامبر نامہ''

''پیغمبرنامہ'' کی مثنوی کا خاتمہ سراسر دعائیہ طرز رکھتا ہے جس میں فریاد کی لے اس تصنیف کی موضوع خاص ہستی کی دہائی کے ساتھ شریک ہے۔ نظم نگار اپنی مفلوک الحالی کے حوالے سے اللہ کے حضور شکوہ کناں ہے اور عجز و الحاح کے ساتھ خواست گار کرم تا کہ قادرِ مطلق کی توجہ اس کے حق میں درستی احوال کی موجب ہوسکے۔ مسیح پانی پتی کے ذاتی حالات

کسی طور کھلتے نہیں پا رہے ہیں۔ بنا بر ایں قیاس غالب ہے کہ زندگی کی انواع و اقسام کی نعمتیں مہیا ہونا کجا عام مرفہ الحالی کے ان زمانوں میں اس کو آسودگی نصیب شاید نہیں ہوسکی۔ تبھی تو وہ عاجزی سے بندہ پروری کا طالب اور مالک حقیقی کے انعام و اکرام کا سوالی بنا ہوا ہے۔

منظومۂ ہٰذا کے یہ آخری اشعار اس شخصی پس منظر کے ساتھ ساتھ مسیح کے تخلیقاتی کردار کے بھی حوالے سے قابلِ ملاحظہ ہیں:

زبان و دل و جاں کہ تابامن است　　ہمیشہ ثنا خوان پیغمبر است[☆۹]
الا یانبی یا محمد رسول　　بکن عرض ایں بندۂ خود قبول
گنہ گار و بے قدر، وہم بیکسم　　سراسیمہ و عاجز و مفلسم
تو دانی بکن ہر چہ خواہی مرا　　دریں کار مختار کردم ترا
ازانِ توام، من ازان توام　　ثنا گویم و مدح خوانِ توام
بہرحال و ہر جا مددگار شو　　بہر گو نہ از ماخبردار شو
مبر بہر نان بردرے دیگرے　　مگر دان پریشان ز بہر زرے
سخن می طراود کہ از کلک من　　قبول افتد آں نزد اہل سخن
بدنیا و عقبٰی سرافراز کن　　بہ فضل و فروریخت ممتاز کن
بروزی کہ یزدان و دادار ما　　کند پرسش از ما ز کردار ما
درآں دم شفاعت کنی از کرم　　کہ ہستیِ تو حامی و رہبرم
ہمہ دور گرداں ز من مفلسی　　بکن دست گیری دریں بیکسی
غم از خاطر من ہمہ دور کن　　جہاں داد را، عرض منظور کن
زہر سو در شادمانی کشا　　چہ گویم دگر بیش ازیں مدعا
بکن لطف بر عجز آزرم من　　کہ لازم بودمر ترا شرم من
بدہ استقامت بخیر و صلاح　　نہ بینم دگر غیر ازیں جز فلاح
سپردم بلطف تو من خویش را　　نہی چوں کہ مرہم دل ریش را
نخواہم دیگراز تو جز لطف تو　　بہر گونہ بندہ بود مہر جو
دگر چند گویم تو دانا تری　　کہ ہم دل نوازی وہم دلبری

D:NaatRang14
File :Makala8
Final

ہماں کن بود کاندراو سودمند[☆۱۰]　　چہ باشد کہ در ہر چہ بہبود من
تودانی و گرمن نگویم جزایں　　مددگار یارحمتِ عالمیں
چو مہر نبوت شدہ انصرام　　چہ گوید دگر جز صلوٰت و سلام[☆۱۱]
صلوٰتے کہ از حد فزوں تربود　　صلوٰتے بود آن کہ بیش از عدد
صلوٰتے کہ باشد سزاوار او　　ز کروبیاں ورد اوراد او
مسیحا برآں پاک با او مدام　　ز اولاد و اصحاب او بالتمام
کہ کردم تمام ایں کتاب غریب　　بجستیم تاریخ وی از مجیب
ندا کرد اندر دلم لطف او　　کہ سال تمامش معظم بگو

۵۔ بسم اللہ ''رامائن مسیحی''

اسی سلسلۂ مضمون کو ''رامائن مسیحی''[☆۱۲] سے ہم رشتہ رکھنے کی خاطر جاری رکھنے کے لیے اس کی بھی بسم اللہ سے رجوع اوراحاطہ مناسب رہے گا۔ ''پیغمبرنامہ'' کی اس ماسبق تصنیف میں نہ صرف شروع کے تین صفحات کے اشعار تحمید اور تمجید و تجلیل الٰہی پر ہیں بلکہ بعنوان ''فی مناجات''[☆۱۳] کے دو صفحے اور متصل سرخی ''ایضاً''[☆۱۴] ''فی مناجات'' کے مزید تین گویاکل آٹھ صفحوں پر یہ ہم موضوع اشعار سلسلہ وار پھیلے ہوئے ہیں۔ ان حمدیہ اشعار کا کچھ احاطہ ''رامائن مسیحی'' کے عنوانیہ کے تعارف کے لیے مختص رہے گا اور کچھ اوراق ہٰذا کے توسط سے پیش کیا جا رہا ہے۔ ''رامائن مسیحی'' کی بسم اللہ کے طور پر حمدیہ کلام کا پہلا اور آخری شعریہ تحریر کیا ہے:

خداوندا ز جام عشق کن مست　　کہ در مستی فشانم برجہاں دست[☆۱۵]
مسیح از ناامیدی چند افسوس　　خداداری، چہ غم داری، بزن کوس[☆۱۶]

''رامائن مسیحی'' کے پہلے بتیس عدد حمدیہ شعروں میں یعنی منقولہ اشعار کے درمیان شاعر نے دل و دماغ کی بہترین صلاحیتیں صرف کرنی شروع کیں اور اپنے اس بندگی نامہ کو شوخیِ اظہار اورحسن طلب کا نمونہ بنادیا۔ عشق کے دردمند کا طرزِ کلام متصل مناجاتوں پر بھی اپنا پرتو قدرتاً چھوڑتا ہے جیساکہ تینوں میں سے ہر جزو سے جستہ جستہ انتخاب شواہد پیش کرے گا۔ تاہم ''رامائن مسیحی'' کے حمدیہ معروضات کا یہ اظہار یا شعری اسلوب ''پیغمبرنامہ'' کی

منقولۂ بالا حمدیہ کے علمی لہجہ و آہنگ کی متانت اور گہرائی سے خاصا مختلف واقع ہوا ہے۔ ''پیغمبرنامہ'' کی حمد میں مضامین کے جوہر کے طور پر دو خاص عناصر نمایاں ہیں یعنی تاریخ کے تلمیح طلب حوالوں سے استفادہ اور پھر اسمائے الٰہی سے کلام کی ظاہری و باطنی زیب و زینت کی خاطر فیض اٹھانا۔ ''رامائن مسیحی'' کے حمدیہ اجزا میں قوت تحریر زور بیان پر صرف ہوئی ہے اور ان سے شاعر نے زیادہ تر حسن طلب کا کام نکالنا چاہا ہے۔ تاہم یہ معاملہ صاف ہے کہ حمدنگار کا مقصود و مطلوب دنیاوی مال یا نفع نہیں ہے بلکہ تخلیقی جوہر میں سے حصہ وافر کا وہ آرزو مند ہے۔ یہاں پر مسلسل جزوِ کلام کے بجائے تینوں متذکرہ حصوں میں سے جستہ جستہ منتخبات درج کیے جا رہے ہیں:[17]

ضعیفم خوانده واز غفلت شکایت[18]　　　که کج دارد نریزاست ایں حکایت
چرا لطفت نپردازد بکارم　　　تہی دستے ترا معذور دارم
بنو میدی چه رانی از در خویش　　　کریمی شرم دار از چشم درویش
نگردم باز محروم از در تو　　　ز تو انعام خواہم در خور تو
ز حق رحمت سزد از بنده تقصیر　　　عیار بوے آں مشک آمد ایں سیر
عطایت از خطایم گشت مشہور　　　چراغ از ظلمت شام است پرنور
امیدے برتو انگه بیم محشر　　　نیازارد پسر گفتارِ مادر
بفرما تاچه سازد جان رنجور　　　خداوندا زمیں سخت آسماں دور
ولے زیں ناسپاسی سوخت جانم　　　چه جائے کس که برخود ہم گرانم
که دانائے تو گیرد گر نه بخشے　　　کریمے گر به بخشے ورنه بخشے[20]
گناہِ من به ترسیدن نیرزد　　　نمی گویم به بخشیدن نیرزد
گناه بنده بخشیدن چه دشوار　　　نخواہد بودن از عفو تو بسیار
عتاب خود مکن ضایع به یکبار　　　که مشتے خاک را سازی گرفتار

۶۔ حمد ''فی مناجات''

پہلی باقاعدہ حمد ''فی مناجات'' تخلیق کرتے ہوئے اپنے جلالی لہجے کو جمالی آہنگ میں مسیح نے یوں تبدیل کیا ہے:

به ہستی دیده چوں نکشوده بودم　　　بخواب نیستی آسوده بودم[21]

D:NaatRang14
File :Makala8
Final

نہ از ہم خوابہ منت، نہ ز بستر　　نہ از افسانہ گو، نہ از پالش پر
نہ در خواب پریشاں اضطرابے　　نہ وسواسے، پئے تعبیر خوابے
ز درد و پاسباں بے غم غنودہ　　نہ در بستہ، نہ اسباب کشودہ ☆[۲۲]
صدائے لطف توسوے خودم خواند　　شکر خوابِ عدم برمن بشو راند
گدائے خفتہ را بیدار کردن　　عطایا دادنست آزار کردن

''ایضاً فی مناجات'' کی شروعات الوہی اوصاف کی صدق دلانہ تعریفات متعین کرنے کی دھن میں ایک ایسے ذخیرۂ لغات کو جامع بنا دی گئی ہے جو اپنے اندر جہانِ معانی رکھتا ہے۔ وجودِ خداوندی کے لیے وہ علامات کے پیکر تراشتا چلا گیا ہے اور مسیح کا ذہن رسا ہے کہ بلا تکان نئی نئی تعریفیں تخلیق کر رہا ہے جن کا بیانیہ اچھوتے سے اچھوتے اسلوب میں ان سبھی علامتی پیکروں کے جلو میں اس کلامِ منظوم میں پیش کیے جارہا ہے۔ یہ دو شعر اسی فصاحت و بلاغت اور نکتہ طرازی کا منھ بولتا ثبوت ہیں:

بنامِ ساقی دور پیا پے　　کہ ہم جام است وہم مستی وہم مئے ☆[۲۳]
بنام نکتہ گیر نکتہ داناں　　زباں دانِ زبان بے زباناں ☆[۲۴]

جن کا معنی آفرینی اور خردافروزی کا صحیح تراندازہ متصل سلسلۂ حمد سے کمال و تمام ممکن ہوسکے گا۔

ایضاً فی مناجات ☆[۲۵]

بنام ساقیِ دور پیا پے　　کہ ہم جام است وہم مستی وہم مئے
حریف خلوت ہر درد آشام　　سر انجام خمار بے سر انجام
نہ از بدمستی کس در شکایت　　نہ از کج نغمۂ کے بوے کنایت
چنیں ساقی و ما مخمور تاچند　　ز بزم شاہد خود دور تاچند
اگر ہشیار در مخموری ہست　　مدار از دامن ساقی خود دست

یہاں تک آتے آتے اپنے جوشِ بیان کا احساس کرکے خود کو تنبیہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

مسیحا رو زباں زین نغمہ بربند　　مشو مغرور ز الطافِ خداوند ☆[۲۶]

زلطف شاہ نبود اعتبارے | بساں بندہ بآید کردگارے
حذر کن از زبان تیغ گوہر | کہ از تیغِ زباں تیغت برسر
نمی گویم زباں زیں نغمہ در کش | ہمیں پردہ بآہنگ دگر کش

اس سے ذرا سا آگے ایک اور بارمعنی افروز اور نکتہ آفریں انداز میں رطب اللسان ہوتا ہے:

بنام نکتہ گیر نکتہ دانان | زباں دان زبان بے زبانان[☆۲۷]
ز بحر قدرتش گردوں حبابے | ز نیل رحمتش دریا سرابے
چناں رحمت بلطفِ او گواہ است | کہ طاعت نزد عفو او گناہ است
گنہ طاعت شود چوں او پسندد | ملک عاصی چو لطفش در بہ بندد

تخیل آفرینی کے جو موتی مسیح نے اس حمد نگاری میں بکھیرے ہیں ان میں یہ شعر بھی داد طلب ہے:

نمک دارِ حدیثِ خوش زبانان
شکر ریزِ طلب شیریں دہانان[☆۲۸]

اس کے بعد مناظرِ قدرت میں صانعِ حقیقی اور قادرِ مطلق کے اظہارِ جمال کی کارفرمائی اور جلوہ آرائی پر لطیف ونفیس سے اشارت کے ساتھ حمدیہ مضمون کا رخ نعتیہ کلام کی طرف موڑ دیتا ہے:

بتوحید تو خاکی را چہ یارائے | ز بے کاری زنم خشتے بدریائے[☆۲۹]
ترا نشناخت غیر از تو دگر کس | ولے مخصوص خود دانست ہر کس
چہ باشم من کہ عاجز شد پیمبر | کہ گوید حمد تو غیر از تو دیگر
ز دستِ بندہ کار حق نیاید | بجز خویش خود گوہر چہ شاید
دگر گویم زبانم باد معذور | کہ مرد، دوست اناالحق گوی منصور
ز خاک مصطفیٰ نامیست نامم | کزیں معنی بہ یزداں ہم کلامم
نکو کارے بعالم پیش کردی | کہ رحمت را وکیل خویش کردی
میانِ خلق تو غیرت نہ گنجد | اگر گنجد جز ایں رحمت نہ گنجد

D:NaatRang14
File :Makala8
Final

۷۔ فی نعت ''سرورِ کائنات''

اس گریز پر حمدیہ قصیدہ نمبر۲ کا اختتام کرتے ہوئے مسیح اوّلین نعت کی طرف رجوع کرتا ہے:

☆۳۰

فی نعت سرورِ کائناتﷺ

دل از عشق محمد ریش دارم　　رقابت باخدائے خویش دارم
حقیقت ناز دارد بر مجازم　　بمعشوق خدائے عشق بازم☆۳۱
دریں میداں نیا مدہم چومن مرد　　بعشقم عاشقی ہامی تواں کرد
رسول اندرحقیقت جز خدا نیست　　بدیں پیغام جبریل آشنا نیست
چو خورشید نختیں شدگل اندود　　محمد نام کردش بخت محمود
محمد نیست جز آئینۂ بیش　　تو دردی می نمائی جلوۂ خویش
بداں جلوہ بجاں خاطر نہادی　　بدادِ حسن خود انصاف دادی

اسی تسلسل میں رسول اللہ اورخالق کائنات کو ایک جان دو قالب قرار دیتا ہے اور طرح طرح کی جسارت آزمائی کے مضامین نو کے انبار لگاتا ہے جن کے مطالب سیاق و سباق میں قابلِ فہم ہیں۔ اس موقع پر ''بخود نازی اگر برخویش نازی'' کی یہ تفصیل دی ہے:

بہ بین آئینہ و بر خویش می ناز　　جہاں قربان ازیں ہم بیش می ناز☆۳۲
ز عشق خود شدی شرمندۂ خویش　　کہ خود را نام کردی بندۂ خویش
دریں جادم زمائی و توئی نیست　　شمارم شدغلط ورنہ دوئی نیست
دو بینذہر یکے را چشم کم نور　　تو خواہی احوالم خواں خواہیم کور
ندارد کس ز تو بیشے و پیشے　　اگر عینی دگر عکس آں خویشے

کوئی شک نہیں کہ اللہ اور رسول اللہ کے یک جان و دو قالب ہونے کا تصور مسیح کی اپنی نکتہ افروزی نہیں ہیاور اسی لیے اس کی طرز ادا میں یہ سوچ زیادہ جسور بھی نہیں لگتی ہے۔ تاہم سعداللہ مسیح پانی پتی کو اپنی معروضات، مثلاً خسرو کی طرح سے:

من تو شدم تو من شدی من جاں شدم تو تن شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

جیسی انتہا تک نہیں پہنچانے کے باوجود اپنی جسارتوں کا خیال آ ہی جاتا ہے۔ اپنی جرأت مستانہ کا احساس کر کے ہی مسیح اس کا اعتراف اسی سلسلۂ کلام میں نعت ثانی سے عین قبل کی مخاطبت میں مناسب حال پیرائے میں کرتا ہے:

ترا بشناسد آں کو حق شناس است　　خدایا ایں چہ تغییر لباس است[☆۳۳]
اگر کفراست حرفم گو مکن گوش　　ازیں گفتن نخواہم ماند خاموش
بنازم کز کمال مہربانی　　پیام خویشتن می رسانی
بسا باشد کہ شاہ ہفت کشور　　گدایانہ لباس فقر دربر[☆۳۴]
بشب گرد و نہاں ہر سوگداوار　　زہر نیک و بد عالم خبردار
دراں دم ہر کہ بشناسد کہ شاہ است　　اگر گوید کہ تو شاہی گناہ ست
چو خاموشی رسائے شاہ داند　　ز مہر مصلحت خاموش ماند
کشایم چند راز دل چومستاں　　من و نعت تو، چوں ظاہر پرستاں

۸۔ ''ایضاً فی نعت''

مسیح کا دوسرا نعتیہ قصیدہ بھی خاصے کی چیز ہے اور یہ مدح بھی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ابتدا تخیل آفرینی سے کرتے ہوئے تاریخی واقعات سے تلمیحی اشاروں کے بطور استفادہ کر کے کلام کو نکتۂ عروج تک جا پہنچاتا ہے:

ایضاً فی نعت[☆۳۵]

مہین پیغمبرے از نسل آدم　　جہانِ رحمت از یزدان مجسم
معمائے خرد نازاں بنامش　　دو عالم جرعۂ از درد جامش
یتیمے ناز پروردِ الٰہی　　فقیرے پشت پا برتاج شاہی
سریر آرائے تخت لامکانی　　گہر پیرائے تاج کن فکانی
رواج نقد توحیداز عیارش　　طفیلش کنج ہستی بل مشارش
زمیں در زیر کفشش عرش افلاک　　خدا طغرائے عرشش خواند لولاک
زباں بہر ستایش گشت موجود　　ز خیل آفرینش اوست مقصود
ز عدلش دست چرخ از ظلم کوتاہ　　کہ انصاف کتان بستانداز ماہ

فلک چوں نیل خاکش کرد بر سر　　ملک جاروب راہش ساخت شہپر
بجیب مہ فگندہ چاک ز انگشت　　نشان مہر حق آورد بر پشت
نشان پاے او بردست موسیٰ　　نہاد از پیش دستی پاے بالا[۳۶]
سلیماں را بلطف ارپیش خوانی　　برآرد پرچو مور از شادمانی
خداوندا جہان عشق تو بازو　　زہے نقشے کہ بر نقاش نازو

حضرت موسیٰ کے حوالے کی بابت نہیں عرض کیا جاسکتا ہے کہ آیا اس کو قرآن یا حدیث کی سند حاصل ہے یا بصورتِ دیگر کم از کم روایات سے اس اشارے کی شہادت مل سکتی ہے۔ غرض مذہبی تاریخ کے مستند اور مسلمہ آثار و مصادر سے استدلال ہی کی بنیاد پر اگر ''نشان پاے او بردست موسیٰ'' کے دعوے کے شواہد غیر ممکن ہیں تو پھر اس ادعا میں مسیح کی اپنی طرف سے شاعرانہ غلو کارفرما لگتا ہے، اس صورت میں محسوس ہوتا ہے کہ ''دستِ موسیٰ'' کی جگہ ''چوبِ موسیٰ'' کا حوالہ اگر نظم ہوجاتا تو یہ ایک محفوظ حوالہ ہوسکتا تھا۔ بہرحال کوئی سا لفظی تغیر، ناممکن ہے اور ادبی دیانت کے خلاف۔

اس دوسری نعت کے آخری[۳۷] شعر کے مضمون کو مسیح نے ''حکایت بر سبیل تمثیل'' سے مربوط کردیا ہے مگر اسنے یہاں ایک مصلحت سے بھی کام نکالا ہے۔ کل تیرہ شعر کی یہ روایت دراصل اس کے مرشد ابوالبقا محمد باقر سے اظہارِ ارادت سے تعلق بلکہ رشتہ رکھتی ہے جس کا ذکر وہ نعتیہ موضوعات کے ہم راہ سلک نظم میں پرونا چاہتا تھا۔ ''پیر خوذ'' پر اس نے مدحیہ قصیدہ آگے موزوں کیا ہے مگر یہ اشارتی تذکرہ وہ دوسری نعت کے بعد اور معراج نامہ سے قبل اضافہ کرنے کی خواہش رکھتا تھا تبھی تو اس نے ایک نقش کے وسیلے سے ''پیر خوذ'' تک رسائی اوراس سے وابستگی کے قصے کا سلسلہ یہاں جوڑنے کی خاطر اس آخری شعر میں نقش اور نقاش جیسے الفاظ استعمال کیے۔ یہ واقعہ مرشد کے باب ہی میں منقول ہوگا۔

بطور تتمہ نعت ثانی مسیح نے جو تمثیل یا حکایت اضافہ کی ہے اس کے خاتمۂ ذیل کو معنوی انتہا سے مزین کیا ہے:

مسیح از خام طبعی لب نہ بستی　　ادب باید دریں جا گرچہ مستی[۳۸]
خدا نعت محمد داند و بس　　نیامد کار یزداں از دگر کس

مسیحا پانی پتی نے آخری نعتیہ قصیدہ بطور معراج نامۂ رسول تصنیف کیا اور اختصار بیانی کے ساتھ سفر آسمانی کے مراحل موزوں کیے اوّلاً سفر رسالت سے پیش تر معراج کی رات کی منظرکشی کی، پھر مستند واقعات نظم کیے:

۹۔ معراج نامۂ رسولِ مقبول ﷺ

در صفتِ شبِ معراج[۳۹]

شبی سرمایۂ اقبال جاوید ز نورش جرعہ در جام خورشید
نہفتہ گنج اسرار الٰہی چو آب زندگانی در سیاہی
سوادش صیقل نور تجلی چو روز وصل سرتاپا تمنا
وفا را از ہوایش گرم باز ار درو معشوق عاشق را خریدار
بنور حق منور شب مہتاب ز کوثر خلد را رضواں زدہ آب
در رحمت کشادہ خازن غیب کرم خامہ زدہ برنامۂ عیب

ایسی روح پرور اور جاں فزا رات کو مالک حقیقی نے اپنی محبوب ترین ہستی کو یادنامہ ارسال کیا:

طلب فرمود آں سلطان دیں را ہمان دانندۂ علم الیقیں را[۴۰]
دراں شب آں ہمای لامکانی ز سایہ داد تاج اصفہانی
ہمان د جبرئیل ازجاں ثنا ریز بگفت اے چشم بخت از خواب برخیز[۴۱]
بشوق مژدۂ پیغام دل دار شد از بوے گل اخلاص بیدار

جبرئیلؑ کی مشایعت میں حضورﷺ جب براق پر سواری فرماتے ہیں، سفر کی اوّلین منزل مسجد اقصیٰ سے لے کر آسمانوں کی سمت تک کی کیفیتیں شاعر نے مجملاً نظم کردی ہیں۔ یہ مراحل فرشتوں نیز ثوابت اور سیاروں کی جانب سے استقبالیہ مناظر سے پر ہیں کہ کون کون سی مخلوقات پئے تعظیم خیرمقدم کے لیے حاضر ہوتی رہیں حتیٰ کہ آٹھویں منزل پرآمد کے بعد اوجِ سدرہ سے آپ بادِلطیف کی طرح تشریف لے گئے تو اُس مقام پر ہواے لامکاں نے جبرئیلؑ کا راستہ روک دیا اور اسرافیل آپ کی پیشوائی کے لیے نمودار ہوئے۔ لامکاں کی اگلی منازل

D:NaatRang14
File :Makala8
Final

تک زحمت فرمائی کی تصویر کشی ملاحظہ ہو:

سرافیل آمد و شدہم عنانش　　　مشرف گشت رفرف پس براقش[۴۲]
ز دل گرمیِ مہر حق تعالیٰ　　　بخار آب رحمت گشت بالا
خودے را باز ماند از ہم عنانے　　　برآمد بر سریر لامکانے
مکانے برتر از گفتار و اوصاف　　　ہوایش از غبار شش جہت صاف
در و دریاے رحمت موج در موج　　　عنایت صف کشیدہ فوج در فوج
جمالے دید فوق از وسع دیدار　　　متاعے برتر از نقد خریدار

اللہ اور رسول اللہ کی ملاقات گویا ساعت معراج کی منظر کشی کا مرحلہ شوق مثنوی نگار کے اپنے متخیلہ کے لیے کس درجے پر آزمائش اور جرأت آزما تھا اور حیرت کا کیا کیا عالم اس کی قوتِ مآخذہ اور طاقت اظہا پر نہیں بیت گیا اس کا اندازہ اسی کے الفاظ سے ممکن ہوسکتا ہے ان تھوڑے سے اشعار کے القا ہوتے ہوتے وہ جس جنون کی کیفیت سے گزرا، اس سے واپسی پر اس کا تحیر عشق اس کے لیے بس ایک خبر رکھتا تھا کہ یہ سب کچھ بے خودی کا کیف تھا معراج نامہ کے یہ تین اختتامی اشعار اسی تاثر پر صادق آتے ہیں کہ ساری سرمستی اس کیف جنوں کی واقع ہوئی تھی:

مسیحا دم بخود زیں رمز مستور　　　نمی بینی چہ پیش آمد بہ منصور[۴۳]
بروح پاک او ہر لحظہ صد بار　　　تحیتہا ازیں باخود گرفتار
درود جاوداں زد پس بتقریب　　　بر اولاد و بر اصحابش بترتیب

مسیح کی ان دونوں تاریخی و سوانحی منظومات[۴۴] کے باضابطہ طور پر اور مفصل تقابل کا یہ محل نہیں ہے کیوں کہ ایک تو اس کی متعاقب تصنیف ''پیغمبرنامہ'' کا مکمل متن دسترس میں نہیں ہے اور خود اوّلین مثنوی کا بھرپور تعارفی جائزہ ابھی باقی ہے۔ تاہم مجرد ''رامائن مسیحی'' کے حمدیہ مشمولات اور نعتیہ قصائد کا مطالعہ چند ایسے حقائق[۴۵] کو نقاب برافگندہ کرتا ہے جن کا مصنف کی ادبی اور تخلیقاتی سوانح سے ربط و تعلق قرابت قریبہ کا سا متعین ہوتا ہے۔ سعد اللہ مسیح پانی پتی کی ادیبانہ شخصیت کے ساتھ ان امور کا رشتہ محسوس طور پر ہی طے شدہ نہیں لگتا ہے بلکہ مسلم الثبوت معلوم ہوتا ہے اور شاعر کے ادبی و اظہاری ارتقا کے عمل میں ان پہلوؤں سے کسی طور صرف نگہ ممکن نہیں ہے اس رشتہ و تعلق کو صرف نظر یا قلم انداز کرکے مسیح کے تخلیقی کردار کا

احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

''رامائن مسیحی'' کے حمدیہ اور نعتیہ قصیدوں کے اپنے تجزیے سے علی الخصوص طور پر یہ حقیقت ثابتہ روشن تر ہوتی ہے کہ:

ا۔ یہ امر محسوس کرنے اور تسلیم کرانے کے لیے یہ نظمیں کافی بالذات ہیں کہ مسیح ازیں بعد خاص ''پیغمبرنامہ'' ہی کو تخلیق کرنے کے لیے بہت اچھی طرح سے Qualified ہی نہیں پورے طور پر لیس یا Well-Equipped بھی واقع ہوا تھا یعنی علمی استعداد، نظم نگاری کی خدادا صلاحیت، ادبی حیثیت گویا قوت آخذ و اظہار اور شعری استطاعت غرض تمام تر مطلوبہ اہلیتوں کے اعتبارات سے ان پہلودار صلاحیتوں کا قوی تر احساس یوں تو دونوں منظومات کے انفرادی مطالعے اور ان پر تقابلی نگاہ سے ہوگا لیکن خاص الخاص ''پیغمبرنامہ'' کے تصنیفی عمل کے محرکات کو انگیز کرنے کے لیے ''رامائن مسیحی'' کے محض انھی اجزا کو بنیاد بنا کر اس کے افق مطالعہ اور تبحر علم کے ساتھ ساتھ اس کی ذہنی آمادگی اور تخلیقی تیاری کو بھی قیاس میں لایا جاسکتا ہے۔

۲۔صاف معلوم ہوتا ہے کہ ''رامائن مسیحی'' میں بسم اللہ سے لے کر تین حمدیہ قصائد اور تین نعتیہ نظموں کا یہ مصنف چل کر ''پیغمبرنامہ'' کی ہی تخلیق کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار اور آمادہ عمل کرنے کے لیے پیشگی فضا بندی کر چکا ہے یہی قلمی پیش بندی ''پیغمبرنامہ'' کی تصنیف کے حق میں عملاً مفید و کارآمد نہیں بے حد مثبت طور پر تقویت بخش ثابت ہوئی اور وسعت علمی کا سبب بنی۔

۳۔بعض ناقدین ادب کا رویہ شاعر کے تئیں قدر ناشناسی کا سا رہا جو اس کو کم رتبہ و کم حیثیت نظم نگار قرار دیتے ہیں۔

۴۔ بطور خاص شبلی کا فرمودہ محض غلط مہمانہ بھی ہے اور ناسپاسی پر بھی مبنی کہ مسیح اگر سوانح صحابہ کو بھی نظم کرتا تو کوئی نہ پوچھتا جب کہ وہ سیرتِ رسول پر ضخیم معیاری مثنوی تصنیف کر گیا ہے جس سے شبلی لاعلم رہ گئے۔ اغلب یہ ہے کہ خود ''رامائن مسیحی'' بھی شبلی کے مطالعے میں نہیں آسکی کیوں کہ وہ اسی کے حمدیہ اور نعتیہ قصیدے ہی ملاحظہ کرتے تو ان کی رائے میں اثباتی اور صحت مند تبدیلی ممکنہ حد تک وقوع پذیر ہوتی۔

حواشی

☆۱۔"پیغامبر نامہ" نسخۂ قلمی جامعہ پنجاب لاہور، شمار پی ایف ۱۱، ۸۸۸/۱۶، مخطوطۂ ہذا کی کیفیت تین مختلف فہرستوں سے اخذ کر کے تصانیف مسیح کی قلمیات کے باب میں جمع کی جاچکی ہے۔

☆۲۔ ایضاً: ایضاً بصفحہ ۲۶۵ خاتمۂ نقل۔　☆۳۔ ایضاً: ایضاً اوّلین ورق نسخہ۔

☆۴۔ ایضاً: ایضاً صفحۂ اوّل۔　☆۵۔ راہ راہ: قدیم فارسی بمعنی خدائے بخشندہ۔

☆۶۔شاہ جہاں بادشاہ مراد ہے۔

☆۷۔ لغوی معنی کے قطع نظر، معجزہ شق القمر کی طرف اشارہ کناں۔

☆۸۔ "پیغمبر نامہ" ص۲　☆۹۔ ایضاً: ایضاً　☆۱۰۔ ایضاً ص۲۶۴

☆۱۱۔ کذا، از روے سیاق و سباق: سود من　☆۱۲۔ "پیغمبر نامہ" ص۲۶۵

☆۱۳۔ "رامائن مسیحی" نول کشور، ایڈیشن ۱۸۹۹ء ☆۱۴۔ ایضاً ص۴

☆۱۵۔ ایضاً ص۴　☆۱۶۔ ایضاً ص۲ ☆۱۷۔ ایضاً ص۴

☆۱۸۔ ضعیف العمری کا اشارہ یہ نہیں ہے بلکہ بمطابق حاشیہ نمبر ایک بصفحہ ۳، یہ معروضہ مراد ہے خلق الانسان ضعیفاً سے مصنف نے اپنی بڑھاپے کی عمر کا حوالہ "فی مناجات" کے تحت دیا ہے جو "رامائن مسیحی" سے ماخوذ احوال میں درج ہورہا ہے۔

☆۱۹۔ شکایت کا حوالہ بھی حاشیہ نمبر۲ کی رو سے "ان الانسان ظلوما جھولا" کی جانب اشارہ کناں ہے۔

☆۲۰۔ "رامائن مسیحی" ص۳　☆۲۱۔ ایضاً: جاری ص۴　☆۲۲۔ ایضاً: "فی مناجات" ص۴

☆۲۳۔ ایضاً ص ۹　☆۲۴۔ ایضاً: بہ عنوان "ایضاً فی مناجات" ص۶

☆۲۵۔ ایضاً ص ۷　☆۲۶۔ ایضاً ص ۶　☆۲۷۔ ایضاً: جاری ص ۷

☆۲۸۔ ایضاً: مسلسل　☆۲۹۔ ایضاً ص ۷　☆۳۰۔ ایضاً ص ۸

☆۳۱۔ ایضاً ص ۹　☆۳۲۔ ایضاً ص ۹ ☆۳۳۔ ایضاً: جاری ص ۱۰

☆۳۴۔ ایضاً: ایک شعر بعد سے　☆۳۵۔ ایضاً: ایک شعر کے بعد

☆۳۶۔ ایضاً ص ۱۱ مسلسل جاری　☆۳۷۔ ایضاً ص ۱۱

☆۳۸۔ ایضاً: جاری ص۱۲　☆۳۹۔ منقولۂ بالا۔

☆۴۰۔ "رامائن مسیحی" ص ۱۲ بہ عنوان "حکایت بر سبیل تمثیل" یہ مختصر سا منظوم واقعہ سعد اللہ مسیح پانی پتی نے دوسری نعت کے بعد اور آخری نعتیہ قصیدے موسوم بہ "در صفت شب معراج" سے عین قبل شریک کیا ہے، اس تمثیل یا حکایت کا مضمون مجملاً یہی ہے کہ اس نے حب رسول میں سرشار بلکہ عشق محمد میں سرمست و بے خود ایک ایسی ہستی سے نیاز حاصل کیا جس کی ہتھیلی میں موجود کاغذ پر ایک نقش اس نے مرتسم پایا۔ اس عاشق رسول کو وہ کاغذ یا اس پر موجود نقش جان عزیز سے بھی زیادہ عزیز تھا، حتیٰ کہ وہ اپنی چشم نم کو اس کاغذ پر ایسے رکھتا تھا یا دوسرے لفظوں میں اس کاغذی نقش کو وہ اس طور آنکھوں سے لگائے رکھتا جیسے کسی بڑے خزانے کا نقشہ پاکر کوئی مفلوک الحال اس کو اپنی آنکھوں پر مارے اشتیاق اور بے قراری و بے صبوری سے رکھے گا شاعر کہتا ہے کہ جب اس نیک نفس بزرگ کی قربت اس کو خود حاصل ہوئی تو گویا اس رجل رشید کی زیارت اسے کیا نصیب ہوگئی اس نے دنیا جہاں کی مکروہات سے آزاد اور ترغیبات و لذات سے اپنے آپ کو بے نیاز محسوس کیا یعنی اقبال کی زبان میں:

نہ مال و دولت دنیا نہ رشتہ و پیوند!

ساری حاجات چشم زدن میں بے وقعت و بے توقیر ہوکر رہ گئیں دراصل اس مختصر سی نظم میں نکتے کی بات یہی ہے کہ وہ اس حسن اتفاق کے فیض اپنے مرشد ابوالبقا میر محمد باقر کا ذکر خیر ان کا نام لیے بغیر درمیان میں لانے کا آرزومند تھا۔ متعلقہ باب میں اس اضافی نظم اور اس سے ہم رشتہ گفتگو کا محل مناسب تر رہے گا اور اسی لیے اوپر کے متن میں اشارے

پر اکتفا کیا گیا۔

☆۴۰۔ ایضاً ص ۱۳ ☆۴۱۔ ایضاً: چند شعر بعد

☆۴۲۔ ایضاً: آخری دو شعر ☆۴۳۔ ایضاً ص ۱۵

☆۴۴۔ ایضاً ص ۱۶، اوّلین تین شعر جو معراج نامہ کے آخری اشعار ہیں۔

☆۴۵۔ یعنی ''پیغمبرنامہ'' اور اس کی پیش رو تصنیف ''رامائن مسیحی''

☆۴۶۔ سعد اللہ مسیح پانی پتی کی ادبی منزلت اور شاعرانہ مرتبت کے بارۂ خاص میں اس مطالعے کے ابواب کے تحت خود بخود روشنی پڑتی رہے گی اس لیے کتاب کے اخیر میں مزید کسی جائزہ نویسی کی کوئی واقعی ضرورت شاید ہی لاحق ہو بلکہ باقی بھی نہیں رہے گی تاہم ''پیغمبرنامہ'' کے مکمل متن سے اکتساب پر اس خصوصی حوالے سے معروضات ضروری اور ممکن بھی ہو سکتے ہیں۔

وضاحت: باب ہٰذا ابتداً ضابطۂ تحریر میں آ گیا تھا اور ''پیغمبرنامہ'' سے عکس نسخہ ازیں بعد حاصل ہوا ''پیغمبر نامہ'' کی اپنی تفصیلی کیفیت ازیں بعد علاحدہ سرخیوں کے تحت ''نعت رنگ'' کے فیض وساطت سے پیش کرنے کی سعادت حاصل رہے گی، بشرطِ حیات ناثبات ان شاء اللہ العزیز۔

D:NaatRang14
File :Makala8
Final

ظہیر غازی پوری۔ بھارت

علامہ ارشد القادری کی نعت میں معنویت، شعریت اور تخلیقیت

انسان ایک مشتِ غبار ہے، خاک اس کا خمیر ہے اور مٹی کے پتلے میں روح پھونک کر اس کی تشکیل ہوتی ہے۔ مٹی کو جو عظمت اور برتری حاصل ہے اس پر ایک اچٹتی سی نظر بھی ڈالیں تو انکشافات پر انکشافات ہوتے جائیں گے اور عمر بھر لکھتے رہنے پر بھی اس کا قصیدہ اختتام کو نہیں پہنچے گا۔ مٹی دنیا کی ہر شے کو اپنے آپ میں جذب کرکے اسے اپنی شکل و خصوصیات عطا کردیتی ہے۔ مٹی دعویٰ کرسکتی ہے کہ "دنیا کا خزانہ مرے جوہر سے بھرا ہے۔" مٹی انسان کو پانی، غذا، معدنیات، تیل کے ذخائر، ہیرے موتی اور سونے، چاندی، پلیٹینم وغیرہ سب کچھ عطا کرتی ہے۔ اس کی ایک چھوٹی سی کیاری میں مختلف قسم کے پھول، کیکٹس، کریلے کی بیل اور گنے کے پودے لگا کر آزما لیں، یہ بے شمار رنگ، بے شمار خوش بو، تیتا پن اور مٹھاس ہر چیز عطا کرنے پر قادر ہے۔ یہ اللہ تبارک تعالیٰ کی قدرت کا شاہ کار ہے اور عجوبۂ روزگار ہے۔ ہاں، یہی مٹی جب اپنی زرخیزی کھو دیتی ہے تو بے آب و گیاہ میدان، کوہستان اور صحرا کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہی مٹی آگ بھی اگلتی ہے اور میٹھے پانی کے چشمے بھی بہاتی ہے:

سنا ہے مرتبۂ خاک ہے بلند بہت
کبھی تو جھک کے ذرا ہم سے آسمان ملے

اک ذرا انسان کے وجود پر غور فرمایے، اس کی تشکیل و تخلیق مٹی سے ہوئی، روح و رواں اس کے جزو بنے اور عناصر کے ظہورِ ترتیب نے زندگی کے سامان پیدا کیے۔ ربّ العزت نے اسے نطق، عقلِ سلیم اور ذہن رسا عطا کرکے ساری مخلوقات میں افضل و اشرف بنا دیا۔

یعنی خدا کے بعد کسی کا درجہ ہے تو وہ انسان کا ہے مگر انسان نے اپنی عظمت کا ثبوت دیا تو درندہ بن کر بھی سامنے آیا، امن و آشتی کا پیغامبر بنا تو خون کی ندیاں بھی بہائیں اور انسانی اقدر کا پاس دار رہا تو تمام تر حیات آفریں تقاضوں کی پامالی کا سبب بھی بنا۔ خدا جو صرف غفورالرحیم تھا، اسے قہر و عذاب نازل کرکے سرکشوں کو نیست و نابود کرنا پڑا، انبیائے کرام کو ہدایات کے لیے بھیجنا پڑا اور ضابطۂ حیات کے طور پر کتابیں بھی نازل کرنی پڑیں اور اپنی آخری کتاب قرآنِ پاک میں بار بار دانش ور، سلیم الطبع اور بالغ ذہن انسانوں کے لیے یہ کہنا پڑا کہ **افلا تعقلون... افلا تتفکرون... افلا تدبرون... افلا تشعرون... لقومٍ یعقلون۔** یعنی تم عقل و بصیرت سے کام نہیں لیتے، غور وفکر نہیں کرتے، تدبر و دانائی سے کام نہیں لیتے، شعور کو مصرف میں نہیں لاتے۔ علم و بصیرت سے کام لو اور عقل و دانش کو کام میں لاؤ وغیرہ وغیرہ۔ معلوم یہ ہوا کہ انسان اگر فہم سے کام لے، ادراک کو چشمِ بینا بنالے، دانش وری کے تقاضوں کو سمجھ لے اور نطق و زبان کے سحر سے واقف ہوجائے تو نہ صرف خدا اور کائنات کی بے کرانی اس کی نظر میں ہوگی بلکہ اس جہانِ رنگ و بو میں پھیلی ہوئی، دل کو چھونے والی ہر لطافت، دماغ کو شاداب کرنے والی ہر کیفیت، ذہن کو تازگی عطا کرنے والی ہر فطانت اور شعور کو بالیدگی بخشنے والی ہر تلازمیت اس کی شخصیت کا اٹوٹ حصہ ہوگی۔ ہمارے تمام دانش ورانِ قوم اور راہبانِ دین و ادب نے ایسے تمام نکات پر نظر رکھی، لہٰذا گراں قدر خدمات انجام دینے میں کامیاب ہوئے۔ انھیں اربابِ نکتہ شناس میں مجاہدِ اہلِ سنت، مناظرِ بے مثال، بانیِ مساجد و مدارس، خطیبِ حق پسند، ادیبِ بالغ نظر اور شاعرِ جادو اثر علامہ مولانا ارشد القادری علیہ الرحمہ کی ذاتِ گرامی بھی تھی۔ ان کے بارے میں خوشتر نورانی نے تحریر کیا ہے کہ:

> حضرت علامہ ارشد القادری دام اقبالہٗ و نور اللہ مرقدہٗ کی شہرۂ آفاق شخصیت کو قرطاس وقلم سے مقید کرنا میرے نزدیک ایک ناگزیر مسئلہ ہے۔ ایک ہی ذات میں فکر وفن، شعر وسخن، لوح وقلم، علم و ادب، عقل و فراست، مناظرہ و محاضرہ اور سیاست و حکومت کی جملہ صلاحیتوں کا سمٹ جانا شخصیت کی عبقریت کی توثیق کرتا ہے۔

(روزنامہ ''اخبارِ مشرق'' کلکتہ، ۸/جون، ۲۰۰۲ء)

میں نے بے شمار مضامین کا مطالعہ کیا ہے لیکن کم سے کم الفاظ میں علامہ ارشدالقادری کی اس سے بہتر تعریف میری نظر سے نہیں گزری۔ علامہ نے بلا شبہ تاحیات ایک مردِ مجاہد کا رول ادا کیا ہے۔ ہر مجاہد قیامت تک زندہ رہتا ہے۔ کیوں کہ وہ اپنے نفس کی تیغ زنی کے عمل سے گزرتا ہے اور یہی راہِ خدا میں جہادِ عظیم ہے۔ مردِ مومن، مردِ مجاہد اور مردِ کامل وہی شخص ہوتا ہے جو کائنات کی دل کشی، رنگا رنگی، نادرہ کاری، نغمگی، شگفتہ نظری اور سرشاری کو اپنی ذات سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ اس سے طبیعت میں انکسار، مزاج میں شگفتگی اور ذہن و شعور میں وارفتگی پیدا ہوتی ہے۔ اس زاویے سے دیکھیے تو علامہ ارشد القادری کا ارتعاشِ قلم ہو یا سحرِ بیان، ہر جگہ ایک نوع کی شعریت، غنائیت، دل کشی اور تخلیقیت افروزی کا گنجینۂ طلسم نظر آئے گا۔ اس جانب ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے توجہ کی ہے اور اپنے مضمون ''نثرِ اردو اور علامہ ارشد القادری'' میں جا بہ جا اس کا اظہار کیا ہے۔ بعض اقتباسات ملاحظہ ہوں:

> علامہ کی نثر کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس میں فکری قوت اور منطقی توانائی کے ساتھ لطف اور اثر بہت شدید ہوتا ہے۔ وہ فکر کے خاکوں میں رنگ بھر کر نثر کو باغِ کامرانی کا سدا بہار پھول بنا دیتے ہیں... علامہ کی نثر ادب برائے ادب بھی ہے، ادب برائے زندگی بھی اور ادب برائے بندگی بھی... علامہ محترم نے جس والہانہ انداز میں جذبات کا اظہار کیا ہے اور منظرنگاری میں جو جان ڈالی ہے محاکامات اور پیکرتراشی کے جو حسین جلوے پیش فرمائے ہیں، وہ شاعری کا ایک مرقع ہے۔ اس اقتباس میں شعری فضا کا اہتمام بھی ہے اور بھرپور شعریت بھی۔
>
> (''جامِ نور'' دہلی، ''رئیس القلم نمبر'')

نثر میں شعری تلازمات اور شعریت نواز انسلاکات ہوں تو اس کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے اور نثرنگار کو شہرتِ دوام بھی بخش دیتی ہے۔ علامہ نیاز فتح پوری کی ''جمالستان''، ''نگارستان'' اور مولانا آزاد کی ''غبارِ خاطر'' (بادۂ تریاک) اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ ایک بار انھیں پڑھ لینے کے بعد اردو کا اچھا قاری ان کے نقوش و تاثر کو ذہن سے جھٹک نہیں سکتا۔ علامہ ارشد القادری کی ایسی ہی ''شیریں سخنی'' نے ''زلزلہ'' اور ''زیر و زبر'' کو تہلکہ خیز

ہونے کے باوجود خواص و عوام میں شرفِ قبولیت کی انتہاؤں سے ہم کنار کیا ہے۔

علامہ ارشد القادری کی شخصیتِ فن کو کھنگالا کریدا جائے تو یہ انکشاف ہوتا ہے کہ دین و مذہب سے والہانہ وابستگی انھیں ورثے میں ملی تھی مگر موزونیِ طبع، خوش کلامی، شعر پسندی اور شاعرانہ اہتزاز انھیں قدرت کی جانب سے ودیعت ہوا تھا۔ وہ خدائے بزرگ و برتر کے سچے پرستار تھے تو محبوبِ خدا ﷺ کے عاشقِ صادق بھی تھے۔

نعت نہ صرف ایک بلند پایہ صنفِ سخن ہے بلکہ لفظ ''نعت'' سرورِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ گرامی سے مختص ہے۔ یہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی تعریف و توصیف کے ہیں مگر نہ تو نعتِ آدمؑ لکھی گئی، نہ نعتِ ابراہیمؑ، نہ نعتِ موسیٰؑ اور نہ نعتِ عیسیٰؑ مگر اسے معجزہ ہی کہیے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے بعد ان کے حسن و جمالِ صوری پر نثری و شعری جتنے کلمات بہ طورِ تحسین خواص و اکابرین کی زبانِ مبارک سے ادا ہوئے، انھیں نعت کے زمرے میں جگہ دی گئی۔ البتہ مدتِ دراز کے بعد نعت کی اصطلاح صرف منظوم کلام کے لیے استعمال ہونے لگی۔ نعت دنیا کی ہر زبان میں کہی جاتی رہی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اسے ایران میں بے پناہ فروغ حاصل ہوا اور اس کے بعد نعت نگاری کا فن اردو میں اس قدر مقبول اور رائج ہوا کہ ہر دین اور مذہب کے ماننے والے اردو شعرا نے نعتِ نبی کریم ﷺ لکھی اور یوں لکھی کہ حقِ نسبت و خلوص ادا کردیا۔ میں مختصراً اس موضوع پر اپنے مضمون ''نعتیہ شعر و ادب... ایک اجمالی جائزہ'' مطبوعہ ''گلبن'' احمد آباد (نعت نمبر) میں اظہارِ خیال کرچکا ہوں۔

نعت کے بارے میں اکثر کہا جاتا ہے کہ یہ عقیدت کی شاعری ہے۔ غالباً مطمحِ نظر یہ رہتا ہے کہ اسے مقصدی شاعری، ایک شخصیت کی حیات و خدمات پر مبنی شاعری اور محدود کینوس کی شاعری ثابت کیا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر عقیدت نہ ہو، مقصد نہ ہو، فکری گہرائی نہ ہو، وجدانی اور الہامی کیفیات سے ربطِ محکم نہ ہو اور لفظ و زبان پر خلاقانہ قدرت نہ ہو تو نعت کیا، غزل، رباعی، نظم کچھ بھی تخلیق کی جائے، اس میں بحر و وزن کی ترنم ریزی، غنائیت اور موسیقیت تو یقیناً مل جائے گی مگر تخلیقی زبان کی چاشنی، معنویت انگیز دل کشی، استعارے کی دل کش فضا اور تلازماتِ شعر کے محاسن مفقود ہوں گے۔ ایسے شعر کہنے والے ہر زمانے میں حشرات الارض کی طرح موجود رہے ہیں مگر میرؔ، غالبؔ، اقبالؔ حفیظؔ، احمد رضاؔ اور ارشدؔ القادری جیسے دانش ور اور مفکر شعرا کی تعداد ہر عہد میں نسبتاً کم رہی ہے اور پھر عقیدت کی شاعری

رحمۃ للعالمین سے متعلق ہو تو اس میں علم و عرفان کی خو بو تو لازمی طور پر ہوگی!

علامہ ارشد القادری کا دائرۂ کار بے حد وسیع تھا۔ وہ مفکر بھی تھے، مدبر بھی تھے، مدرس بھی تھے، محدث بھی تھے اور انھوں نے نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونی ممالک میں بھی مساجد و مدارس تعمیر کرائے اور اعلیٰ اسلامی اقدار کی تبلیغ و توسیع میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت صرف کیا۔ اس کے بعد جو وقت ملا اس میں مختلف النوع موضوعات پر قریباً تین درجن بے حد اہم اور زندہ رہنے والی کتابیں تصنیف کیں۔ ان امور نے انھیں اس قدر الجھائے رکھا کہ وہ شعر گوئی کے لیے زیادہ وقت نہ نکال سکے مگر فطری شاعر اپنے ذوقِ جمال سے یکسر بیگانہ ہوجائے، یہ ممکن نہ تھا۔ لہٰذا جب بھی خیالِ حبیب اکرم ﷺ اور عشقِ نبیِ مکرم ﷺ نے سرمست و سرشار کیا، انھوں نے قلم سنبھالا اور ایسے نعتیہ شعر تخلیق کیے جو تعداد میں کم ہونے کے باوجود نعتیہ شعری ادب میں اضافہ ہیں۔ یہاں ان کی ایک نعت کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

ان کے روضے پہ بہاروں کی وہ زیبائی ہے
جیسے فردوس پہ فردوس اتر آئی ہے
پاؤں چھو جائے تو پتھر کا جگر موم کرے
ہاتھ لگ جائے تو شرمندہ مسیحائی ہے

سرورِ دو عالم ﷺ کے روضۂ مبارک، اس کی جالی، اس کی کشش انگیزی، اس کی حرمت اور اس کے سبز گنبد پر بلا مبالغہ لاکھوں شعرائے کرام نے مختلف انداز میں شعر کہے ہیں، ہر جگہ عقیدت، جذبے کی صداقت، والہانہ شیفتگی اور دل گرفتگی کا انداز موجود ملے گا مگر شاعری کو ساحری بنا دینے کا فن سب کو نہیں آتا۔ علامہ نے ان شعروں میں اظہار کے نئے طریقوں اور تخلیقیت افروز شعری تلازموں سے وہ آب و تاب پیدا کی ہے جو عصری شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔ حضور ﷺ کے روضے پر بہار کی زیب و زینت جہاں نظر و شعور میں اس طرح جلوہ ریز ہے جیسے جنت الفردوس میں ایک اور جنت الفردوس اتر آئی ہو۔ یہ ''کیفیتِ بہاراں اثری'' اور ''فردوسی نگاہی'' علامہ ارشد القادری کی طبیعت و مزاج اور ذوقِ شاعرانہ کی غماز ہے۔ دوسرے شعر کے در و بست پر توجہ مرکوز کریں تو عرفان ہوگا کہ روضۂ اقدس کے در و دیوار سے دانستہ یا نادانستہ پاؤں چھو جائے تو پتھر جیسا جگر بھی موم کی طرح پگھل کر بہہ جائے گا یعنی اپنی گستاخی کی سزا پا جائے گا اور اگر ہاتھ کو یہ سعادت نصیب ہوجائے تو شاعر یا

D:Sabhi\NaatRang-14
File :Makala9.inp
Final

عاشقِ رسول ﷺ کے سامنے مسیحائی بھی شرمندہ نظر آئے گی۔ اس شعر میں پتھر، جگر، موم اور مسیحائی سارے الفاظ علامتیت اور استعاریت کے مظہر ہیں۔ پتھر کے جگر کو موم کرنے اور مسیحائی کے شرمندہ ہونے کے عقب میں ایسی لطیف معنویت پوشیدہ ہے جس کی تشریح و توضیح ممکن نہیں۔ لہٰذا یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ علامہ ارشد القادری شعر کی تہ دار معنویت، پیکر تراشی اور نئے لب و لہجے میں نعتیہ شعر وضع کرنے کا خلاقانہ درک رکھتے تھے۔ ان کی نعتیہ شاعری سے متعلق بعض اہلِ نظر اور اربابِ فن نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ چند مختصر اقتباسات سے میرے دعوے کی توثیق ہوجائے گی:

> ان (علامہ ارشد القادری) کے پاس جادو نگار قلم تھا۔ الفاظ ان کے سامنے آراستہ و پیراستہ رہتے تھے۔ ن کا منفرد اسلوبِ تحریر تھا۔ ان کی طرز جداگانہ تھی۔ اس لیے ''رئیس القلم'' کہلائے۔ شاعری بھی کی مگر نعت گوئی تک محدود رکھا کہ نعت ہی شاعری کا نگینہ اور شاعری کی معراج ہے۔ (ڈاکٹر رضوان احمد، سہ ماہی ''رفاقت''، پٹنہ، ص۶۱)
>
> حضرت موصوف (علامہ ارشد القادری) ایک مثالی معلم ہی نہیں، ایک عمدہ نعت گو شاعر بھی ہیں۔ آنحضور ﷺ سے گہری محبت کے سبب عشقِ محمد ﷺ میں ڈوبے ہوئے شعر تخلیق فرماتے ہیں اور عشق میں ڈوبے ہوئے اشعار سنانے کا اسلوب بھی ماشاء اللہ خوب تھا۔
>
> (علامہ) شارق جمال، ''جامِ نور'' دہلی، ص۱۳۴)
>
> علامہ جہاں مفسر، محدث اور فقیہ ہیں، وہیں علامہ اعلیٰ درجے کے ادیب اور نعت و منقبت کے شاعر بھی ہیں۔
>
> (ڈاکٹر غازی امان اللہ قادری، ''جامِ نور''، ص ۵۸)

ہمارے رسولِ مکرم ﷺ کی زندگی میں جن لوگوں نے نعت و قصائد لکھے، انھوں نے ان کو بہ نفسِ نفیس دیکھا تھا۔ ان کے اسوۂ حسنہ سے بہ خوبی واقف تھے۔ لہٰذا اس عہد کے شعرا نے نعت کے ذیل میں جو اشعار کہے ان میں مبالغہ اور تصنع نہیں ہے۔آج جب سوائے تحریروں کے اربابِ فن کے سامنے کچھ نہیں ہے تو محتاط شاعر خوف زدہ رہتا ہے کہ کہیں الوہیت اور نبوت کی حدود سے تجاوز کیا تو عاقبت سنورنے کی بجائے مقدر ہی بگڑ جائے گا۔

اس کے باوجود رسائل وکتب ہی میں نہیں اکثر مذہبی جلسوں اور سیرت النبی ﷺ کی محفلوں میں ایسے اشعار سے سابقہ پڑتا ہے جو حد درجہ قابلِ اعتراض ہوتے ہیں، سطحی انداز میں وضع کردہ ہوتے ہیں اور بعض اشعار میں فاش فنی معائب بھی موجود ہوتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کی شان میں پڑھا جانے والا کلام نہ صرف بلند معیار بلکہ نک سک سے بھی درست ہونا چاہیے۔ ایک بدعت اور عام ہوتی جا رہی ہے کہ نعت سننے کے لیے بھی مسحور کن ترنم لازمی سمجھا جانے لگا ہے۔ گٹکری لگا کر، الفاظ کو ربر کی طرح کھینچ تان کر نعت پڑھنا طرۂ امتیاز ہوگیا ہے۔ سنجیدہ ترین محفلوں میں بھی یہی طریقہ مستحسن سمجھا جانے لگا ہے۔ اس سے زیادہ قابلِ نفریں اور دل و دماغ پر ہتھوڑے برسنے والی ایک بات یہ بھی ہے کہ جب تک مقرر یا خطیب بزم میں تشریف نہیں لاتے، مدرسوں کے بچوں سے نعت سنوائی جاتی ہے۔ گویا مقرر یا خطیب کی عدمِ موجودگی کے خلا کو پُر کرنے کے لیے نعت پاک کا بے جا استعمال کیا جاتا ہے۔ میرے خیال میں اس رائج طریقے نے نعت گوئی کے مقدس فن کو بھی مجروح کیا ہے اور اہانتِ رسول ﷺ کے نئے نئے دروازے بھی کھولے ہیں۔ کیوں کہ ایسے مواقع پر حاضرین نعت مقدس کو توجہ اور انہماک سے سننے کی چیز سمجھنے کی بجائے مجمع اکٹھا کرنے کی چیز سمجھتے ہیں۔ ان نکات اور پہلوؤں پر غور وخوض کی اشد ضرورت ہے۔ جناب شفیق الدین شارق نے لکھا ہے کہ:

> اردو ادب میں نعتیہ نظم و نثر کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا ہے کہ اب اس شعبے میں تنقید کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ نعت کے سلسلے میں تحقیقی کام تو خاصا ہوا ہے لیکن تنقید کی طرف بوجوہ ابھی توجہ نہیں دی گئی ہے۔
> (''اردو نعت اور جدید اسلوب'' ص۹)

نعت گوئی کے موضوع پر تحریر کردہ اپنے ایک بے حد اہم مضمون میں جناب عزیز احسن نے اظہارِ خیال کیا ہے کہ:

> اس صنفِ مقدس (نعت) کا ذوقِ تخلیق جس قدر بھی بڑھ جائے، اس میدان میں نقادوں کی کمی بہرحال محسوس کی جاتی رہے گی... ابھی نعت کے نئے افق تلاش کرنے ہیں اور اس صنف کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے شایانِ شان بنانے کے لیے آفاقی بنانا ہے اور یہ کام ناقدینِ کرام کی توجہ کے بغیر ممکن نہیں۔
> (''اردو نعت اور جدید اسلوب'' ص۷)

نعتیہ شاعری کو عروج بخشنے اور س کے لیے نئے نئے افق تلاش کرنے کی مساعی جمیلہ نے اس کشتِ زارِ فن میں نئے گل بوٹے کھلائے ہیں مگر ابھی تک مفتیان و عالمانِ ادب نعت کے سلسلے میں نہ تو تنقید برداشت کرنے کے متحمل ہیں اور نہ اس کھلی فضا کو لبیک کہنے کے لیے آگے آنے پر رضامند ہوتے ہیں۔ میں ان تلخ تجربات سے گزرا ہوں۔ کسی مضمون میں اس کی تفصیل بیان کروں گا۔ وسیع الذہن ناقدین و شعرا نے اس راہ میں جو کامیابیاں حاصل کی ہیں وہ بلاشبہ مستحسن اور قابلِ قدر ہیں۔ نئی تنقید نے اپنا اثر دکھایا ہے اور نئی نعت فکر و خیال کے نئے شگوفے کھلانے لگی ہے۔ اب علامہ شبلی کی یہ بات سچ ہوتی ہوئی معلوم ہونے لگی ہے کہ ''شاعری تنہا نشینی اور مطالعۂ نفس کا نتیجہ ہے۔'' آج کی نعت کے چند اشعار برائے مطالعہ و جائزہ منقول ہیں:

کاسۂ جسم کو انوار سے اپنے بھر دے　　میں کہ ہوں شہرِ مدینہ میں گدا کی صورت
(انورؔ سدید)

خواب روشن ہوگئے مہکا بصیرت کا گلاب　　جب کھلا شاخِ نظر پر ان کی رویت کا گلاب
(صبیحؔ رحمانی)

ترا خیال ہے صحرا میں ابر کی صورت　　میں سر پہ اور کوئی سائبان نہیں رکھتا
(جاویدؔ اقبال)

اگر وہ ابرِ رحمت ترک کردے بارشِ رحمت　　زمیں تو پھر زمیں ہے آسماں ویران ہوجائے
(صہباؔ اختر)

شان ان کی سوچیے اور سوچ میں کھو جائیے　　نعت کا دل میں خیال آئے تو چپ ہوجائیے
(خورشیدؔ رضوی)

گزشتہ دو دہائیوں میں نعتیہ شعر و ادب پر گراں قدر کام ہوئے ہیں۔ ''نعت رنگ'' اور ''سفیرِ نعت'' جیسے مقتدر رسائل نے جمود توڑا ہے، کشادگی پیدا کی ہے اور جرأت مندی کے ساتھ نعتیہ شعر و ادب پر تنقید لکھنے کا حوصلہ بخشا ہے۔ ایک بات چیت کے دوران قرۃ العین طاہرہ نے احمد ندیم قاسمی سے کہا کہ ''نعت کے حوالے سے پچھلے دنوں خاصی بحث رہی ہے۔ کیا ہم شکوک و شبہات دور کرکے اعتماد کی فضا بحال نہیں کرسکتے؟'' جناب قاسمی نے جواب دیا کہ ''شکوک و شبہات دور کرنے کے لیے بھی تو صفائی دینے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔'' (بحوالہ

سہ ماہی ''تسطیر'' لاہور، شمارہ ۶۔۷) میرا خیال ہے کہ جب تک شخصیت پرستی کا رجحان غالب رہے گا، تلخ سچائیاں گوارا نہیں کی جاسکیں گی۔ بت شکنی کا عمل جادو کی طرح سر چڑھ کر بولنے لگا ہے۔ صنفِ نعت پہلے سے زیادہ پرکشش اور توانا ہوئی ہے اور مندرجہ بالا اشعار کی روشنی میں بجاطور پر یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اس باوقار صنف نے لب و لہجہ اور اندازِ اظہار کی نئی جہتیں تلاش کرلی ہیں جن میں بلا کی دل کشی اور ایک نوع کی تحریک انگیزی پائی جاتی ہے۔

علامہ ارشد القادری کی وسعتِ علمی اور قادر الکلامی اظہر من الشمس ہے۔ سیاسی، معاشرتی، تہذیبی اور ادبی اقدار کی ہر روش اور رفتار ان کی نظر میں رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعت میں اسلوب کی دل کشی اور نئی ادبی اقدار کی تازہ کاری جا بہ جا دکھائی دیتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جلوہ گر سامنے پیکرِ نور ہوں منکروں کا بھی سرکارﷺ شک دور ہو
کرکے تبدیل اک دن لباسِ بشر دونوں عالم کے سرکار آجایئے

☆

مرے سرکار آکر نقش کردو اب کفِ پا کو
دلِ بیمار کا رہ رہ کے گھبرانا نہ جائے گا

☆

فریاد امتی جو کرے حالِ زار پر
ممکن نہیں کہ خیرِ بشر کو خبر نہ ہو

ان اشعار میں ''پیکرِ نور''، ''برگشتۂ دنیا''، ''قطرہ و دریا''، ''نقش کردو'' اور ''خیرِ بشر'' کے استعارے، اصطلاحیں، تراکیب اور شعری پیکر قاری کو معنویت کی نو بہ نو فردوسِ بریں کی سیر کراتی ہیں۔ بہ قول علامہ اقبالؔ شاعری انتہائی انہماک اور یکسوئی کے ساتھ پڑھنے اور غور کرنے کی چیز ہے۔ علامہ ارشد القادری نے غزل کے فارم میں نعت تخلیق کرکے یہ ثبوت فراہم کیا ہے کہ ہندوستانی مزاج اور پسند نے اس ہیئت اور ساخت کو اعتبار بخشا ہے۔ علامہ نے منقبت بھی لکھی ہے، قطعات بھی کہے ہیں اور اعلیٰ حضرت کے یک مصرعی نعت کے ایک نئے تجربے کو تقویت بھی بخشی ہے اور خاصی کامیابی حاصل کی ہے۔ علامہ کے دو عدد قطعات ملاحظہ ہوں جن میں زبان و اظہار کی نئی چاشنی محسوس کی جاسکتی ہے:

کیا کہا تم نے کہ خورشیدِ عرب ڈوب گیا
بات ہے کتنی بڑی ہوش و خرد کھونے کی

دیکھ کر سرخ شفق تم نے غلط سمجھا ہے
ڈوبنے کی نہیں سرخی ہے طلوع☆ ہونے کی

☆

آبگینوں میں شہیدوں کا لہو بھرتے ہیں
صبح سے آج فلک والوں میں بے تابی ہے
ہو نہ ہو اس عرق روحِ عمل سے مقصود
شجر امت مرحوم کی شادابی ہے

جناب احمد جاوید نے علامہ کے بارے میں بڑی اہم بات کہی ہے کہ ''آپ روایت پسند تھے لیکن قدامت پرست ہرگز نہیں۔'' روایت سے نہ تو بغاوت ہوسکی ہے اور نہ اس سے دنیا کی کوئی باشعور نسل دامن چھڑا سکی ہے۔ تجربے شاہد ہیں کہ ہر جدت، روایت ہی کے بطن میں پرورش پاتی ہے:

روایت تازگیِ فکر سے محروم رہ جاتی
اگر ہم میرؔ و غالبؔ کی طرف داری نہیں کرتے

علامہ کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ انھوں نے بڑے بڑے معرکے سر کیے مگر کبھی کسی کی دل شکنی نہیں کی۔ مولانا ممتاز احمد سدیدی، ریسرچ اسکالر (قاہرہ) کے اس خیال کی تردید کوئی انصاف پسند انسان نہیں کرسکتا کہ ''آپ کی تنقید ہمیشہ اصلاحی رہی، کبھی مخالفین کو برا بھلا کہہ کر ان کی دل شکنی نہیں کی بلکہ اپنے موقف کو ٹھوس دلیل اور انتہائی شائستگی سے ثابت کیا ہے۔'' یہ دلیلِ خوش نظری ان کی عظمت و برتری کی غماز ہے۔

نعت پاک کا تقدس، اس کی اہمیت اور اس کی ہر دل عزیزی ہمیشہ جناب مولانا ارشد القادری کی نظر میں رہی۔ انھیں نعت نگاری کے مواقع بھلے ہی بہت کم میسر آئے مگر انھوں نے اس صنف کی ترقی، بلندی اور توسیع و اشاعت کے خواہاں بھی رہے اور کوشاں بھی۔ انھوں نے اپنے رسالے ''جامِ نور'' کے لیے ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ کو نعتیہ شاعری کے موضوع پر ایک مضمون لکھنے کا حکم دیا۔ برقؔ صاحب نے فوراً تعمیلِ ارشاد کردی مگر بعد میں انھوں نے کچھ

☆ا۔عن ساقط ہے

تشنگی محسوس کی اور اس مقالے کو ازسرنو قلم بند کیا اور اسے ''اردو کی نعتیہ شاعری'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کرایا۔ اس کتاب پر ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی نے اظہارِ خیال کیا کہ:

> کتاب کو اردو نعت کا ایک تفصیلی و جامع جائزہ تو قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن مطالعۂ نعت کے حوالے سے مطبوعہ کتب میں جو اوّلیت کا اعزاز حاصل ہے، وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔
>
> (رسالہ ''اوج'' (نعت نمبر)، ۱۹۹۳ء)

اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ اس اہم کتاب کی تصنیف اور اس کی پذیرائی علامہ ارشد القادری کی مرہونِ منت ہے۔

غزلیہ شاعری میں مستزاد اور ایک قافیہ کی غزل کے بے شمار تجربے ہوئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ایک کلیدی انداز کے مصرعے پر بے شمار مصاریع تضمین کے طور پر کہے اور ثبوت فراہم کیا کہ وہ نعت مقدس کے ذیل میں بھی مختلف انداز میں سوچ سکتے ہیں اور مصرع و شعر کے انبار لگا سکتے ہیں۔ ویسے وہ ایک زود گو اور زیادہ گو شاعر کی حیثیت سے بھی اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔ علامہ ارشد القادری کو مولانا احمد رضا علیہ الرحمہ سے جو نسبتِ خاص تھی، اس کا تذکرہ انھوں نے ان الفاظ میں کیا ہے:

> میرے قلم کو امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے مسلک عشق و عرفان کی ترجمانی کا شرف بخشا ہے اور ان کی فکری تربیت کا بڑا احسان یہ ہے کہ باطل قوتوں سے مجھے لڑنے کا جذبہ عطا ہوا۔
>
> (''جامِ شہود'' کلکتہ، اپریل تا ستمبر ۲۰۰۲ء)

شاعری میں کورانہ تقلید و تتبع ممکن نہیں کیوں کہ شاعر پر سرقہ کا الزام وارد ہوجاتا ہے۔ علامہ ارشد القادری نے اپنے مرشد و بزرگ کو نذر کرنے کی غرض سے یک مصرعی تضمینی انداز کی نعت تخلیق کی جو سرقہ و توارد کے حصار میں نہیں آسکتی۔ ان کے مرشد نے:

''شمعِ جمالِ مصطفائی''

مجھ کو شبِ غم ڈرا رہی ہے — اے شمعِ جمالِ مصطفائی
چمکا دے نصیبِ بدنصیباں — اے شمعِ جمالِ مصطفائی

D:Sabhi\NaatRang-14
File :Makala9.inp
Final

ہم تیرہ دلوں پہ بھی کرم کر　　اے شمعِ جمالِ مصطفائی

(احمد رضا بریلوی)

جمالِ نور کی محفل سے پروانہ نہ جائے گا　　مدینہ چھوڑ کر اب اُن کا دیوانہ نہ جائے گا

بڑی مشکل سے آیا ہے پلٹ کر اپنے مرکز پر　　مدینہ چھوڑ کر اب اُن کا دیوانہ نہ جائے گا

فرازِ عرش سے اب کون اترے فرشِ گیتی پر　　مدینہ چھوڑ کر اب اُن کا دیوانہ نہ جائے گا

(ارشدالقادری ارشدؔ)

میں نے یہ اشعار برائے موازنہ نقل نہیں کیے ہیں۔ اس کا کوئی موقع ومحل بھی نہیں ہے مگر مولانا ارشد القادری کے اشعار میں ''جمالِ نور کی محفل''، ''اپنے مرکز پر'' اور ''فرازِ عرش سے فرشِ گیتی پر'' کے پیکر تراش تلازمے لطف و سرشاری کی ایک خاص کیفیت طاری کرتے ہیں اور ایسے وژن خلق کرتے ہیں جو پردۂ ذہن پر تا دیر منعکس رہتے اور دیرپا نقوش مرتسم کرتے ہیں۔

علامہ نے فریضۂ حج ادا کرنے کے مبارک موقع پر بارگاہِ رسالت ﷺ میں نذر کرنے کے لیے ایک نعت پاک دل گرفتگی کے عالم میں کہی تھی اور روضۂ اقدس کی پرنور جالی کے سامنے ادب و احترام سے کھڑے ہوکر اسے بہ زبانِ خود پڑھنے کا شرف حاصل کیا تھا۔ اس مبارک نعت کے دو اشعار ملاحظہ ہوں:

صبح کا وقت ہے آقا ﷺ مری جھولی بھر دو
کٹ گئی رات یونہی دستِ طلب پھیلائے
آگئے والیِ بطحا کی اماں میں ارشدؔ
کہہ دو آنا ہے تو اب پیکِ اجل آجائے

اس موقع پر جب ذہن و دل پر ایک اَن جانی پراسرار کیفیت طاری ہو۔ سینہ خوشی سے پھول رہا ہو اور آنکھیں برس رہی ہوں، اس عالم میں کوئی اور شاعر بھی ہوتا تو کس طرح کی خواہشات کا اظہار کرتا!

ڈبڈبا آتی ہیں پہلے سے ہی آنکھیں میری
مسکرانے کی علامت بھی عجب ہوتی ہے

علامہ ارشد القادری پوری ملتِ اسلامیہ کے ہر دل عزیز قائد رہے ہیں۔ لہٰذا ان کی

بارگاہ میں بے شمار شعرائے کرام نے منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ یہاں چند اشعار نقل کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

وہ رئیس القلم حیف، جاتا رہا ختم جس پر صحافت کی تھی خسروی
(طلحہ رضوی برق)

آپ تھے روشن دماغ و باشعور و دیدہ ور عقل و حکمت میں یگانہ پیکر دانش وری
(فاروق احمد صدیقی)

نغمۂ توحید ان کی روح کی تسکین تھی مدح خوانِ مصطفیٰ علامہ ارشد قادری
(ملک الظفر سہسرامی)

حکم رب آتے ہی ارشد القادری سوئے ملک عدم منتقل ہوگئے
(ذاکر حسین لطیفی)

ان سے دم سے ہے رخِ حسنِ نظامِ ملت لوگ کہتے ہیں انھیں قائدِ اہلِ سنت
(نازاں فیضی گیاوی)

فکر سرکار مدینہ سے رہے سرشار آپ اس لیے خلدِ بریں کے ہوگئے حق دار آپ
(شمیم القادری)

نعت نگاری علامہ ارشد القادری کی ہمہ جہت عبقری شخصیت کا ایک روشن پہلو ہے۔ انھیں اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود عشقِ نبی ﷺ سے گہرا ربط رہا اور انھوں نے نعت مقدس کی مشہورِ زمانہ صنف کو اپنی پاکیزہ خیالی سے تاب و تب اور فکری توانائی بخشی۔ یہ ان کے لیے توشۂ آخرت ہونے کے ساتھ ہی ایک ایسا شناخت نامہ ہے جس پر گردِ زمانہ نہیں جم سکتی۔ یہ بات دعوے کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ علامہ اپنے آئینۂ افکار میں تاقیامت زندہ و پائندہ رہیں گے۔ ان شاء اللہ۔

ہو بصیرت تو ظلمت آئینہ
ورنہ بے فیض روشنی بھی ہے

D:Sabhi\NaatRang-14
File :Makala9.inp
Final

پروفیسر واصل عثمانی۔ امریکا

''نعت اور تنقید نعت'' ایک جائزہ

چند برسوں سے نعت گوئی نے جس تیز رفتاری سے اردو ادب کے اشاعتی افق پر اپنا تسلط قائم کر رکھا ہے وہ ایک بہت خوش گوار اور خوش آئند عمل کے ساتھ ساتھ ان تمام اصحاب کے لیے قابلِ مبارک باد بھی ہے جنھوں نے نعتوں کی نشرو اشاعت میں اپنے قیمتی اوقات کا صحیح مصرف تلاش کر کے اپنے لیے دنیا ہی میں سامانِ آخرت مہیا کر لیا ہے۔ نعت رنگ اور اس کے مدیرِ اعلیٰ جناب صبیح رحمانی کا اس سلسلے میں نام جلی حروف سے لکھا جانا چاہیے جنھوں نے ''اقلیم نعت'' کو خون رگ جاں سے منور کرنے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ قدیم شعرا سے جدید ترین شعرا تک کے کلام کو نعت رنگ میں بلا تفریق ملک و ملت پیش کرنا صبیح رحمانی کا عظیم کارنامہ ہے۔ صاحبان دید و دانش اور اربابِ علم سے عالمانہ مضامین ومقالات قلم بند کرانا ان کا وہ بے مثل کار خیر ہے جو اس سے قبل اس مستعدی اور لگن سے کبھی انجام نہیں دیا گیا۔ قدیم نعتیں اور ان کا تعارف شائقین کے ادبی ذوق کی تسکین کے لیے پیش کیا جاتا رہا ہے۔ مگر علمی ادبی اور تحقیقی انداز سے نعتوں پر مضامین اور مقالات کی طباعت اس سے قبل کبھی منصۂ شہود پر اس تواتر اور تسلسل سے نہیں ہوئیں۔ نعت گو شعرا حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے محبت و عقیدت کے پیش نظر نعتیں کہتے، پڑھتے، داد و تحسین سمیٹتے، صل اللہ سبحان اللہ اور الحمدللہ کی صداؤں سے اپنا دامن مراد بھر لیتے ہیں۔ صاحبان حیثیت اپنے شعر و غزل کے دوا دین کے ابتدائی اوراق میں بطور تبرک چند نعتیں طبع کرا دیتے ہیں مگر بیسویں صدی کے نصف آخر میں یہ جذبہ روز بروز ترقی کرنے لگا اور یہ روش زیادہ شدّومد سے منظرعام پر رونما ہونے لگی۔ اس عہد کا ہر قابل ذکر شاعر اپنا ایک نعتیہ مجموعہ شائع کرنا شعری فرائض میں سے

تصور کرنے لگا۔

صبیح رحمانی نے چند بڑے فکرانگیز اور پرمغز مقالے ڈاکٹر ابوالخیر کشفی سے نعت کے حوالے سے لکھوا کر نعت رنگ میں شائع کیے۔ جن کی بڑی تحسین و ستائش اہل علم نے کی۔ اب ان ہی شائع شدہ مقالات کا ایک مجموعہ طاہرہ کشفی میموریل سوسائٹی کراچی نے کتابی شکل میں شائقین ادب اور مشتاقین نعت کے لیے بعنوان ''نعت اور تنقید نعت'' پیش کیا ہے۔ اس میں ''نعت کے عناصر''، ''نعت کے موضوعات''، ''نعت گنجینۂ معنی کا طلسم''، ''غزل میں نعت کی جلوہ گری''، ''اردو میں نعت کا مستقبل''، ''ہیں مواجہ پہ ہم'' جیسے اہم مقالات شامل ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کشادہ قلب، بیدار مغز، اور وسیع ذہن کے مالک ہیں آپ کی تحریر شگفتہ انداز بیان پرکشش اور طریقۂ اظہار جاذبِ توجہ ہوتا ہے آپ ایک موحد، صحیح الفکر ادیب کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ ان مقالات میں آپ نے اپنی ذہنی اور دل ودماغ کی اعلی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دیانت و امانت سے بڑے بلیغ انداز میں خیالات کا اظہار کیا ہے۔ نعت گوئی اس کے بنیادی اراکین، لوازمات، آداب، حدود، لفظیات اور زبان و بیان پر جس سلاست و روانی سے اپنے قلم سے کام لیاہے۔ اس پر داد نہ دینی ادبی بخالت سے تعبیر کی جائے گی۔ ہر چند کہ ان مقالات میں چند باتیں مختلف انداز سے دہرائی گئی ہیں۔ مگر ان میں قندِ مکرر کا لطف پایا جاتا ہے اور تمام کا تمام تر قیمہ آپس میں یوں مربوط ہے جیسے کسی کپڑے کے تانے بانے جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ کپڑے کی خوب صورتی، خوش نمائی اور مضبوطی کا ضامن ہوتا ہے۔ آپ کی تحریر کی شگفتگی اور اس کے بار بار مطالعے سے طبیعت لطف اندوز ہوتی ہے۔ اور روح میں کیف و انبساط کی فضا کا ظہور ہوتا ہے قاری ''نعت اور تنقید نعت کے مطالعے میں ایسا محو ہوجاتا ہے کہ اس کے لیے وقت کا احساس ختم ہوجاتا ہے۔ ان مقالات کو سرسری طور سے پڑھ کر گزرنا ممکن نہیں ان میں غوروفکر کے ایسے جزیرے ملتے ہیں جہاں فلسفیانہ خیالات اور ادبی نکات کے گل بوٹے اپنی رنگا رنگی سے ایک ایسی فضا پیش کرتے ہیں جن کی دل فریبی اور دیدہ زیبی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔ استخراج معانی و مطالب میں کسی تصنع کا شائبہ تک نہیں گزرتا۔ البتہ اس تحریری اور عبارتی سفر میں قاری کو قدم سے قدم ملا کر چلنے کا حوصلہ بہت ضروری ہے ورنہ ان مضامین کی گہرائی اور گیرائی کے سفر میں بھٹک جانے کا اندیشہ ہوسکتا ہے۔ کشفی محصور و محدود فضا میں پرواز

کے قائل نہیں۔ وہ کھلی فضا میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں سے کام لینے کے ہنر سے واقف ہیں۔ ان مقالات کے مطالعے سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مطالعہ صرف قدیم اور جدید علوم تک ہی محدود نہیں بلکہ گرد وپیش زمانہ سے بھی با خبر ہیں اور جدید ترین موضوعات پر بھی ان کی گہری نظر ہے۔ اس بات کی اس سے تصدیق ہوتی ہے کہ اس زمانے کے سیاسی و ادبی نعروں تک کا ذکر انھوں نے بڑی چابک دستی سے ان علمی مضامین میں کیا ہے۔ اس کتاب کے تمام مضامین نعت سے متعلق ہیں مگر ان میں علم کلام، تنقید، شاعری، ادب، لسانیات، مذہبیات، فلسفہ تاریخ اور تہذیب و ثقافت کے علاوہ آداب زندگی، معاشرت، ترجمہ، تفسیر، سیرت و سوانح کے قمقمے جگمگا رہے ہیں۔ غزل، گیت، قصیدہ، رباعی، نظم معرا، نثری نظم، سانیٹ انشائیہ اور ہائیکو پر بھی تبصرہ کرتے ہوئے یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ نعت کس صنف سخن میں بطریقِ احسن کی جاسکتی ہے۔ اس کاوش میں انھوں نے بہتوں کے عبادت فن کا قبلہ درست کرنے کی بھی سعی مشکور کی ہے۔ اس طرح ۱۷۴ صفحات کی یہ مختصر سی کتاب کئی ضخیم ادبی اور تنقیدی کتب پر سبقت لے جاتی ہے۔

اس کتاب میں دو مقالے اتنے اہم اور قابل توجہ ہیں کہ ان پر تفصیلی گفتگو کے بغیر مجموعی طور پر کتاب کے لغوی محاسن کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، ہم پہلے نعت میں غزل کی جلوہ گری کا ایک سرسری سا تذکرہ کرتے ہیں جس میں خصوصاً ۴ عظیم شعرا کی چند غزلوں میں نعتیہ اشعار کا سراغ لگایا گیا ہے۔ اور ان کی تشریح وتوضیح میں بڑے بین اور مدلل ثبوت پیش کیے گئے ہیں۔ وہ اشعار جنھیں ہم غزل کا شعر سمجھ کر صرف مجازی دنیا میں گشت کرنے لگتے ہیں۔ ان کی بنیاد اور اساس عشق رسول بتائی گئی۔ اس طرح قاری کی نظر جو اس دنیائے رنگ و بو میں بھٹکتی الجھتی رہتی ہے اور مجازی عشق کی چار دیواری میں ہی گشت کرتی اور عارضی لطف اٹھاتی ہے اس سے حجاب اٹھا کر حقیقت سے آشنا کیا گیا ہے۔ اس مقالہ میں شاعری خصوصاً غزل کی تعریف میں اکابرین کے اقوال بطور حوالہ پیش کیے گئے ہیں اور غزل کے اشعار کو نعت کے شعر ثابت کرنے میں بڑے ٹھوس دلائل بطور حوالہ دیے گئے ہیں۔ اساتذہ کی غزلوں سے ایسے اشعار اخذ کرنا جن کا بنیادی اور اساسی سرمایہ اور روحانی تعلق نعت سے ہے کوئی آسان کام نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے غزل کے بہت سے اشعار کو نعت کا شعر ثابت کرکے برس ہا برس کے فرسودہ خیالات اور ان کے معانی ومطالب کو نیا رخ عطا کیا ہے۔

انھیں عشق مجازی کے تاریک حصار سے نکال کر نعت کی لامحدود منور فضامیں روشناس کرانے کا وہ حسین فریضہ انجام دیا ہے۔جسے بت شکنی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔غزل میں نعت گوئی کا موضوع ہی ہمیں دو اہم نکات پر غور کرنے کے لیے دعوت دیتا ہے۔ اوّل تو غزل کے صحیح معنی و مطالب کا ادراک اور ان کی تفہیم دوسرے ڈاکٹر کشفی کے خیال افروز مضامین کے متعلق ان کی عالمانہ اور بصیرت افروز تحریر کا مطالعہ جس کے ذریعہ انھوں نے اکابر شعرا کی چند غزلوں کے اشعار میں نعتیہ مضامین کا سراغ لگایا ہے۔ جہاں تک غزل کی نشتریت اور دل گداز ہونے کا سوال ہے اس کا ذکر ہر دور میں اپنے اپنے انداز سے بڑی شد و مد سے کیا جاتا رہا ہے۔ اس کی گہرائی اور گیرائی کا ہر ذی شعور علاوہ محدودے چند کے قائل و معترف رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی اس کی وسعت، ہمہ گیری، جاذبیت، دل کشی اور دلفریبی کا بڑے صریح الفاظ میں اعتراف ہی نہیں کیا بلکہ اس کی وکالت بھی بڑے کامیاب انداز میں کی ہے۔ وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ غزل ہی وہ واحد صنف سخن ہے جس میں ایمائیت و اشاریت کے ساتھ کسی خیال کو پیش کرنے کا وصف بدرجۂ اولی موجود ہے۔ آپ کا خیال ہے کہ غزل کی تفہیم کے لیے نہایت مہذب اور تربیت یافتہ ذہن درکا رہے۔ اچھی غزل ایک اکائی اور وحدت ہوتی ہے۔ اس کے اشعار کی ترتیب میں بھی حسن جاذبیت اور تاثر پایا جاتا ہے اگر ان اشعار کی ترتیب بدل دی جائے تو اس کا وہ حسن و تاثر باقی نہیں رہ جاتا جو اس کا بنیادی وصف ہے۔ یہ اسی وحدت کے عنصر کی وجہ ہے کہ خلوت وجلوت میں بھی غزل کے اشعار ہونٹوں پر رقص کرنے لگتے ہیں غزل ساغر و مینا کے اشعاروں کے سہارے مشاہدہ حق کی گفتگو کا نام ہے۔ یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ غزل ایک طرز حیات اور ہماری جمالیاتی اور ثقافتی اقدار کا وسیلہ اظہار ہے چوں کہ غزل کی دنیا ایک بے حدود دنیا، پہنائیوں کی دنیا اور افق تا افق پھیلی ہوئی دنیا ہے۔ اس لیے یہی ایک ایسی صنف سخن ہے جو نعت کے بار امانت کو اٹھا سکتی ہے۔حضور اکرم ﷺ کا ذکر اذکار ہماری زندگی کاحصّہ ہے اور ہمارے جذبات کی تہذیب اور ترفع کا وسیلہ غزل ہے اس لیے اس سے بہتر اور موزوں کوئی دوسری صنف سخن نہیں جس میں سرور کائنات کے شب وروز،خصائل وفضائل کا تذکرہ ہوسکے، الفاظ کے محدود دائرے جب غزل کی ہیئت اختیار کرتے ہیں تو اس میں اپنی جلوہ گری کے درجہ عروج پر نظر آتے ہیں۔ غزل کے اشعار میں پروئے ہوئے الفاظ معنی و مطالب کی عظمت و اہمیت شانہ بشانہ چلتے

ہوئے اپنی محدود فضا سے نکل کر لامحدود کی طرف پرواز کرنے لگتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے خیال میں شاعر جو کچھ کہتا ہے بعض اوقات خود اس پر بھی اس کے مکمل معانی منکشف نہیں ہوتے ہر چند اس بیان میں قدرے مبالغہ ضرور ہے مگر اس حقیقت سے انکار کی بھی گنجائش نہیں کیوں کہ غالب و اقبال کا کلام اس کی زندہ مثال ہے۔ ان کے اشعار کے نت نئے معانی و مطالب بیان کیے جارہے ہے ہیں اس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ ان کے اشعار کی تفہیم کے نئے باب وا ہو رہے ہیں۔ آپ نے اپنی بات کا ثبوت غالب کی مدحیہ غزل کے ان اشعار سے دیا ہے جن میں فرخ آباد کے تجمل حسین خان کی مدح اس طرح کی گئی ہے کہ نطق کو زبان کے بوسہ کی لذت سے ہمکنار ہونا بتا یا گیا اور اس کی معنی کی وسعت کے پیش نظر اسے نعت سے تعبیر کیا گیا ہے اس غزل کا وہ شعر جس میں تعریف و توصیف کے لیے صفحہ قرطاس کی تنگ دامانی کا ذکر ہے اور ممدوح کی تعریف کے لیے نا مکمل و تشنہ ہونے کا باعث قرار دیا گیا ہے نعت کا شعر کہا گیا ہے۔ شاید ہی کسی نے اس سے قبل کبھی یہ سوچا اور تصور کیا ہو کہ ان اشعار کا اشارہ حضور کی ذات گرامی سے ہے یہ نکتہ ڈاکٹر صاحب کی عقابی نگاہوں نے دریافت کیا ہے اور اس کے تخلیقی عناصر میں حب نبی کا انکشاف کیا ہے۔ اسی طرح آپ نے اردو شاعری خصوصاً غزل کے چند معتبر غزل گو شعرا کے کلام میں ایسے نعتیہ اشعار کی نشان دہی کی ہے جن پر تحقیقی نگاہ ڈالنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حقیقتاً ان اشعار کا جامہ غزل کے مجازی تفہیم کے لیے بڑا نہیں بلکہ بہت بڑا ہے۔ معنی و مطالب کا یہ جامہ ایک ایسی ہی شخصیت کے لیے مناسب و موزوں ہے جو حدِ ادراک سے بھی پرے ہے کیوں کہ یہی ایک ایسی ذاتِ گرامی ہے جس کی تعریف و توصیف جن وبشر کے علاوہ قادر مطلق کے کلام میں بھی پائی جاتی ہے۔

اردو غزل کے تشکیلی ڈھانچے کو بہ اعتبار سن تین صدیوں میں تقسیم کرکے ہر صدی کے ایک نمائندہ شاعر کا انتخاب کیا گیا ہے اور اس کی چند غزلوں سے نعتیہ مضامین کے اشعار اخذ کرکے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ان اشعار کے معانی اور ان کی تشریح مجاز کے آئینے میں نہ تلاش کی جائیں کیوں کہ ان اشعار کے ہر ایک لفظ میں نعت کے اجزائے ترکیبی پیوست ہیں جن سے اس بات کی شناخت ہوتی ہے کہ ان کا نسبی تعلق نعت سے ہے۔ اٹھارویں صدی سے میر تقی میر انیسویں سے غالب اور بیسویں صدی سے اقبال اور حسرت موہانی کا انتخاب

D: Sabhi\NaatRang-14
File:Wasil
2nd Proof

کر کے انکی غزلوں کے وہ اشعار پیش کیے گئے ہیں جو بادی النظر میں عشق مجازی کے آئینہ دار ہیں مگر ان کا بنیادی سلسلہ اور نسبی شجرہ نعت سے ملتا ہے۔ میر کے ایسے اشعار :

آنکھ اس سے نہیں اٹھنے کی صاحب نظروں کی
جس خاک پہ ہوگا اثر اس کے کف پا کا
جن مردوں کو آنکھ دیا ہے خدا نے وے
سرمہ کریں ہیں رہ کی تری خاک دھول کا

میں نعتیہ رنگ کی نمود خاک کو سرمہ بنانے سے اور ''صاحب نظر'' کے اشارتی لفظ سے ہو رہی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے راستے کو اپنا راستہ بنانا اور اس راستے کی خاک کو اپنے لیے انداز نظر بنانا ہی صاحب نظر ہونے کی دلیل ہے۔ میر کی شاعری میں حضور اکرم ﷺ کا ذکر اس سطح پر ہے جہاں انسانی تخیل۔ زبان و بیان اور اظہار کے فن اور دل و دماغ کی یک جائی اور ہم آہنگی درجہ عروج پر ہے۔میر کا یہ شعر۔

سو رنگ کی جب خوبی پاتے ہو اسی گل میں
پھر اس سے کوئی اس بن کچھ چاہے تو کیا چاہے

پیش کر کے'' لفظ'' اُسی کا تعین مفہوم اس طرح کیا گیا ہے کہ یہ کوئی ایسا گل مراد اور مجموعہ صفات ہے جس کے بارے میں سننے والوں کو پوری خبر ہے اور ہزار سکوت کے باوجود اس کا نام دل کی ڈھڑکنوں میں موجود ہے اور یہ گل مراد صرف حضور ﷺ کی ذات مبارکہ ہے جس کا ذکر و اذکار میر نے اپنی غزلوں میں استعارے کے طور اکثر اشعار میں کیا ہے بس اس کی تفہیم کی ضرورت ہے جو ہر کسی کا مقدر نہیں ہے۔

اس موقع پر یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ کشفی نے اپنے ان منتخب شعرا کے متعلق بڑے یادگاری جملے سپرد قلم کر کے ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری، آل احمد سرور اور پروفیسر خورشید الاسلام کی یا دتازہ کر دی ہے۔ میر کے لیے انھوں نے فرمایا ہے''میر تقی میر محض ایک شاعر نہیں بلکہ اردو غزل کی خود مختاری کا اعلان ہے'' غالب کے متعلق ان کا یہ قول کتنا معتبر ہے کہ ''غالب کے نفس گرم کی حدت سے لفظ پگھل کر اپنے معانی روشن اور ظاہر کر دیتے ہیں۔ غالب نے اردو غزل کے حدود کی توسیع کی اور غزل کو زندگی کا قد آدم آئینہ بنا دیا'' ''حسرت بیسویں صدی میں اردو غزل کے فروغ و ارتقا کے اسباب ہیں'' ''اقبال کی پوری

شاعری اور اس کا فلسفہ خودی عشق و عمل تعلق بالرسول سے عبادت ہے اقبال ملت اسلامیہ کے حدی خواں ہیں۔ اقبال کی شاعری اردو نعتیہ شاعری کی معراج ہے جس نے ہماری اجتماعی فکر اور فن کو نئے دھارے اور رجحانات عطا کیے ہیں۔ فیض ہماری شعری روایت کے ترجمان ہونے کے ساتھ ساتھ نئی حسیت اور غزل کے ایک نئے عہد کا دیباچہ ہیں۔"

کشفی نے الفاظ اور غزل اور اس کے ربط کا مطالعہ سطحی نظر سے نہیں کیا بلکہ اِس کے عمق اور گہرائی میں اتر کر ایسے گوہر آب دار تلاش کرلائے ہیں جہاں عام ناقد کی نظر پہنچنی دشوار ہے۔ آپ نے چند معتبر شعرا کا انتخاب کر کے جہاں ایک ادبی فریضہ انجام دیا ہے وہیں ایک کارِ خیر میں خشت اول نصب کرنے کا احسن کارنامہ بھی انجام دیا ہے۔

غالب کے سلسلے میں ان کا یہ قول سند کا درجہ رکھتا ہے کہ ہر چند کہ اردو میں غالب نے کوئی باضابطہ نعت نہیں کہی لیکن ان کی غزلیں سیّد الابرار شہِ دوسرا صلی اللہ و علیہ و آلہ وسلم کا ذکر اپنے دامن میں رکھتی ہیں۔ غالب کو خود بھی مسائل تصوف نظم کرنے پر فخر و ناز تھا اپنے بیان کی شہادت میں غالب کی غزلوں سے نعتیہ مضامین کے اشعار پیش کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انھیں ہیرا تراشنے کا فن آتا ہے، مثلاً:

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست
لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

غالب کے نزدیک جنت کی معنویت اسی صورت میں ابھر کر آسکتی تھی کہ وہ کسی کی جلوہ گاہ ہو غالب نے دعائیہ انداز میں یہ مضمون باندھا ہے یہ ندرت اسلوب کی مثال ہے ورنہ انھیں یقین تھا کہ جنت جلوہ گاہ مصطفوی ہونے کی وجہ ہی اہل ایمان کے لیے جنت ہے یا پھر غالب کا یہ کہنا:

یہ کس بہشت شمائل کی آمد آمد ہے
کہ غیر جلوۂ گل رہ گزر میں گرد نہیں

یا غالب کی غزل کا یہ شعر:

کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لیے
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

ان اشعار کے لہجے اور اسلوب ہی سے ذہن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مبذول و

D: Sabhi\NaatRang-14
File:Wasil
2nd Proof

منعطف ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اقبال کی غزلوں میں بے شمار اشعار اس نوعیت کے ملتے ہیں جنھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور ثنا کے ثبوت کے لیے پیش کیے جاسکتے ہیں۔

سنا دیا گوش منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر
جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہوگا

یا پھر ان کی غزل کا وہ شعر جس میں کہا گیا ہے کہ:

شراب کہن پھر پلا ساقیا

یہاں ساقیا سے مراد بجز رسول اکرمﷺ کے اور کون سی ذات ہوسکتی ہے جس سے یہ استدعا کی جاسکے کہ وہی جام پھر گردش میں آئے جس سے مئے لاالہ نوش کرکے انسان راہ نجات پا جاتا ہے۔ رومی وغزالی کے فکر میں نقش مصطفوی سے زندگی کی رمق پانے کا ذکر اقبال نے اپنے اشعار میں کیا اس کی تشہیر و توضیح میں ان کی نکتہ سنج طبیعت اور دُو رس نگاہوں نے بڑا فعال کردار ادا کیا ہے۔ اقبال کی پوری شاعری تعلق رسول کی چمک سے منور ہے اسی لیے غزل کے اکثر اشعار میں ''مولائے یثرب'' سے درخواست ہے۔ اپنی دانش کو ''فرنگی'' اور ایمان کو ''زناری'' کہنے کا حوصلہ صرف اقبال جیسے عاشق رسول ہی کو ہوسکتا ہے۔ اقبال کو گردوں کو عالم بشریت کے زد میں ہونے کا خیال و اعتراف ''معراجِ مصطفٰے'' سے ہی ملتا ہے۔''غبار راہ'' کو''فروغ وادی سینا'' بخشنے کا نعرہ لگانے والا یہی شاعر اقبال ہے جس نے اپنی غزلوں کے درو بام کو ذکر رسول سے منور و معطر کر رکھا ہے۔

بیسویں صدی میں اقبال کے ذکر کے علاوہ حسرت اور فیض کا بھی ذکر بڑے والہانہ اور عقیدہ تمندانہ طریقے سے کیا گیا ہے۔ حسرت کے ذکر میں جس اپنائیت اور قرب خاص کا احساس پایا جاتاہے اس کی ایک خاص وجہ تو یہ ہے کے حسرت موہانی کا زیادہ تر قیام کانپور میں تھا اور کشفی کی سکونت بھی کانپور میں ہی تھی جہاں ان کے والد محترم ثاقب کانپوری اور حسرت موہانی وہاں کی ادبی انجمنوں اور مشاعروں میں مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ کشفی نے حسرت کی غزلوں کے علاوہ ان کی زندگی کے شب وروز کا بہت قریب سے مطالعہ کیا تھا۔ حسرت کی شخصیت بطور غزل گو ان کی نگاہ میں بہت معزز و محترم ہے۔ حسرت کو وہ ایک درخشندہ و تابندہ مشعل کا درجہ دیتے ہیں۔ کانپور سے کراچی اور کراچی سے کعبہ تک کے سفر میں انھیں حسرت کے بے شمار اشعار موقع موقع سے یاد آتے اور اپنی قربت کا احساس دلاتے

رہتے ہیں ان کی مجاہدانہ اور درویشانہ زندگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ان کی غزلوں پر غور کرتے ہیں تو اکثر اشعار کے پس منظر حب نبی سے آراستہ نظرآتے ہیں ان کو''نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے''یا ''دلوں کو فکر دو عالم سے کردیا آزاد''اور ارباب ہوس کو گنجائش ایمان کرلیں''میں نعتیہ اشعار کی جلوہ گری محسوس ہوتی ہے۔ بات صرف میر۔ غالب۔ اقبال اور حسرت پر ہی ختم نہیں ہوتی بلکہ فیض کی غزلوں میں بھی کشفی کو نعت کے چراغ جلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ درون بینی شاید ان کو اس وقت نصیب ہوئی جب فیض نے خود اپنی غزل کے نعتیہ اشعار کی طرف اشارہ کیا۔ ''رنگ و خوشبو''، ''نجات دل کا عالم''، ''حسن دست عیسیٰ'' میں بھی انھیں نعت کے گل و گلزار کھلکھلاتے محسوس ہوتے ہیں۔ ''حسن و خوبی'' کے استعارے ہوں یا ''دلِ کافر'' کو ان کی رہ گزر میں بندگی کے آداب کا سراغ ملتا ہوا نظرآتا ہے۔

کشفی کو صرف اساتذہ فن کی غزلوں میں ہی نہیں بلکہ انھیں جدید شعرا کی غزلوں سے بھی نعتیہ اشعار اخذ کرنے اور اپنی بات کو صحیح ثابت کرنے کا سلیقہ اور ہنر بدرجۂ اتم آتا ہے، مثلاً احمد ندیم قاسمی، فضل احمد کریم فضلی، سراج الدین ظفر، شیر افضل جعفری، عرش صدیقی، پیرزادہ قاسم، صہبا اختر، عثمان رمز، رئیس علوی، امتیاز ساغر، جلیل عالی اور سلیم کوثر کی غزلوں کے ان اشعار کے حوالے دیے ہیں جن سے نعت رسول اور حب نبی کی کرنیں پہنائے غزل کو تابدار کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتیں۔

دوسرا مقالہ جس کا عنوان ''نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم'' ہے نہایت مدلل، جامع اور فکر انگیز ہے اس مقالے میں لفظ بیان۔ زبان اور علم کلام جیسے موضوعات پر ایک بڑی عالمانہ اور فاضلانہ بحث ہے جس کی تفہیم کے لیے تحمل و تفکر کے علاوہ ایک سریع الفہم ذہن کی ضرورت ہے ورنہ انسانی زندگی۔ معرفت الٰہی۔ حُب نبی اور انکا روزمرّہ کارحیات سے ربط و تسلسل سمجھنا ناممکن ہوگا۔ الفاظ کی تاثراتی قوت اور ان کا مناسب استعمال محاورات کی نزاکت۔ تشبیہات و استعارات کی اہمیت و افادیت پر بڑی سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ یہ مقالا فلسفیانہ خیالات اور منطقی استدلال پر مبنی ادب کا وہ شہ پارہ ہے جو نعتیہ ادب میں ایک نادر مثال کی طرح ہمیشہ حوالے کے طور پر پیش کیا جائے گا۔ ادب کے طالبعلم کو عموماً اور نعت گو شعراء کو لازماً اس کا مطالعہ بڑی توجہ سے کرنا چاہیے کیوں کہ اس کتاب کا یہی کلیدی اور مرکزی مقالہ ہے جسے ہر لحاظ سے جامع مکمل اور مدلل کہنا کوئی مبالغہ نہ ہوگا اس مقالے کی

حیثیت اور نوعیت ایک ایسے صحیفہ کی ہے جس کے ایک حصہ میں فلسفہ، منطق، علمِ کلام فصاحت و بلاغت پر توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ دوسرے کے حصے میں علمائے حق اور ان کے وہ خیالات رقم کے گئے ہیں جن کا ادب اور دینی موضوعات سے بڑا قریبی رشتہ ہے۔ ان میں شاہ عبدالقادرؒ، شیخ الہند محمودالحسنؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا احمد رضا خان بریلویؒ، فتح محمد جالندھریؒ، مولانا مودودیؒ اور سیّد ابوالحسن علی ندویؒ جیسے مستند علمائے دین اور مفسرین کے حوالے مقالے کی اہمیت میں اضافہ کا باعث قرار پاتے ہیں۔ اس مقالے میں ''نقوشِ اقبال مصنفہ'' سیّد ابوالحسن علی ندوی، شبلی کی ''شعرالعجم'' اور خود ان کی کتاب، ''وطن سے وطن تک'' کے اقتباسات قاری کے ذوق مطالعہ کو توانائی بخشتے ہیں۔ غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، رباعی، ترجیع بند، مسدس، گیت پر بھی برسبیل تذکرہ مختصر سا تبصرہ نعتیہ فضا کو ہمہ رنگ بنانے کے لیے کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں طالبان علم کو نعت کے آداب۔ خصوصیت اور خاصیت معلوم کرنے اور ذہن نشین کرنے کے بڑے سبق آموز اشارے ملتے ہیں۔ میری رائے میں اس مقالے کے کینوس کا اندازہ لگانا مجھ جیسے کم سواد شخص کے لیے ممکن نہیں۔ اس کے متعلق سامعی علم سے بہتر ہوگا کہ اس مقالے کا بذات خود مطالعہ کرکے پھر کوئی رائے قائم کی جائے کہ یہ انشائیہ ہے تنقید ہے۔ ادبی شہ پارہ ہے یا نعت کہنے اور لکھنے کے لیے ایک گائیڈ اور کلید ہے ہم یہاں اس مضمون کا صرف ایک پیرا گراف نقل کرکے سکوت اختیار کریں گے کیوں کہ اس تحریر سے یہ بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ موجودہ عہد کی نعتیں جن میں رومانی لہجہ اختیار کیا گیا کتنا نا مناسب اور ناروا خیال کیا گیا ہے اور ڈاکٹر صاحب کی حق گوئی۔ راست فہمی کی شناخت اور مزاج کا اندازہ ہوسکے گا کہ انھوں نے ایسے شعرا کی کیسی خبر لی ہے۔

> بہت سی نعتوں میں غزل کا مروّجہ لہجہ۔ عام الفاظ اور وہ اسلوب ملتا ہے جس کا رومانی لہجہ اعلیٰ عشقیہ شاعری کی کوئی صفت اپنے دامن میں نہیں رکھتا۔ اس اسلوب کا نامناسب ہونا بین اور واضح ہے اس پر اضافہ کیجیے اس حقیقت کا کہ بہت سے حضرات نے ''سیکولر نعتیں'' کہی ہیں۔ وہ رسول کریم و عظیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی دوسرے انسانی رہبروں اور'' لیڈروں ''میں سے ایک سمجھتے ہیں اور بس نتیجہ ظاہر ہے کہ کیسی نعتیں ایسے لوگوں کے قلم سے سامنے آئیں گی۔

اب بتائیے کہ اپنے موضوع اس کے سیاق و سباق اس کی وسعتوں اور پہلوؤں سے دُور ہو کر شاعری کس حد تک گر سکتی ہے اور الفاظ اپنے معانی سے محروم ہوکر کس طرح خزف ریزے ہو جاتے ہیں ان ٹھیکروں سے تو کوئی آواز بھی نہیں نکلتی۔ نعت کا شعر وہی شعر ہے جس کو پڑھتے ہی سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا خیال مبارک ذہن میں آجائے اور جو آپ کے مرتبۂ عظیم کے شایان شان ہو۔ ویسے بہت سے شعر خوب صورت ہونے کے باوجود نعت کے شعر نہیں کہے جاسکتے۔☆

دوسرے مضامین ''نعت کے عناصر'' اور ''نعت کے موضوعات'' بھی بڑے دلچسپ معلومات افزا اور فکر انگیز ہیں جن میں نعت کے موضوعات اور گھسے پٹے خیالات اور انداز کو بار بار دہرانے والے شعرا کو مخاطب کرکے یہ فرمایا گیا ہے کہ نعت میں مروّجہ الفاظ اور انداز تخاطب اختیار کرنے سے قبل۔

ان کے معانی ومطالب پر بھی غور کرنا چاہیے صرف اندھی تقلید سے نعت گوئی کا حق ادا نہیں ہوتا اور کوئی خاص تاثر و کیفیت کی نمو نہیں ہوتی۔ ''کالی کملی والے''۔ ''داتا کے بھکاری''، ''خواہش وصل''، ''حلقہ گیسو'' جیسے الفاظ نعت میں استعال کرنا۔ ناروا اور نامناسب ہیں۔ دوسرے انبیا علیہم السلام اور حضرت جبرئیل کی تحقیر کسی طور سے بھی جائز نہیں۔ نعت کی حدود کو بلاوجہ وسیع کرنے کی کوشش اور موضوعات میں اضافہ کرنے کی بے جا خواہش ایسے ہی مضامین نظم کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے جس سے اسلامی نقطۂ نگاہ اور شریعت کے بنیادی اصولوں پر زد پڑتی ہے، مثلاً شافع روز حشر کو اگر مالک روز حشر نظم کر دیا جائے تو یہ حدود خداوندی میں داخل ہوجانے کے مترادف ہوگا۔ شاعر اسی وقت اس غلو سے بچ سکتا ہے جب اسے حضور اکرم صلی اللہ وعلیہ وسلم کی کی حقیقی عظمتوں کا دھیان ہو اور یہ احساس ہوکہ حضور کی ذات بابرکات اللہ اور انسان کے درمیان رابطہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہمارے شعر، مطالعۂ قرآن

☆۔ یہ اور بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے ممدوحین میں سے حسرت موہانی اور حسن کاکوروی کے ان محولہ اشعار جو ان کے اصول اور معیار نعت سے فروتر اور ان کے مزاج سے مختلف ہیں کوئی گرفت نہیں کی جن میں مولائے یثرب سے مدد مانگی گئی اور زلف وگیسو کا تذکرہ ہے۔

D: Sabhi\NaatRang-14
File:Wasil
2nd Proof

وحدیث اور مشاہدہ کا ئنات کے ذریعہ ہی آپ کی حقیقی عظمت کی بارگاہ میں حسن قبول کا مرتبہ پا سکتے ہیں۔ خاص طور سے گیت کا آہنگ نعت گوئی کے لیے نا مناسب بتا کر اس ذریعۂ اظہار سے گریز کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے جس میں ''تورے عشق کے چھینٹے''، ''رورو عمر کا ساون بیتے'' پانی بھی آگ لگائے اور''یا نبی توری یاد آئے''،''یا پنگھٹ پر محمد کے کھڑا'' رہنے والے ٹکڑے کسی طور سے بھی نعت کا مہذب طریقۂ اظہار نہیں کیا جاسکتا۔ کشفی کا یہ بیان درست ہے کہ ہم نعت میں جو لفظ بھی ادا کرتے ہیں ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور نبوت و رسالت کے بارے میں ہماری فکر اور دائرۂ تفہیم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ الفاظ معنی کی ایک دنیا اپنے اندر رکھتے ہیں اور بڑا شاعر الفاظ ومعنی کی دنیا میں تجدید وتفسیر کا علم برداد ہوتا ہے اچھا شاعر عام الفاظ کو نئے معنی عطا کرتا ہے۔ اور زبان کے مزاج اور حدود کے اندر رہتے ہوئے نئے الفاظ اختراع وا یجا د کرتا ہے۔

اس کتاب کا صرف واحد مضمون ایسا ہے جو غیر مطبوعہ تھا اور وہ ہے صبیح رحمانی کی ایک نعت ''ہیں مواجہ پہ ہم'' سے متعلق ہے جن کے نام سے اس مبارک تصیف کو معنون بھی کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب جوہر قابل کے دانندہ ہیں اور صبیح رحمانی کی ذہانت و ذکاوت کے معترف بھی۔ جب ہی تو اس کتاب کا انتساب بھی صبیح رحمانی کے نام کرکے یہ ثابت کر دیاہے کہ وہ حق بہ حقدار رسیّد کے مقولے کا پاس رکھتے ہیں۔ کشفی صاحب نے۔ بڑے وثوق و اعتماد سے یہ بات کہی ہے کہ''ادب پر ہوائی''یا باد ہوائی گفتگو بہت آسان ہے لیکن فن پارے کو اپنے وجود میں محسوس کرنا اور اس احساس کو لفظ دے کر دوسروں کو اپنی فکر، نظر اور تنقیدی تجزیے میں شامل کرنا مشکل بات ہے۔ انھوں نے اس بات کی صداقت کا یوں ثبوت پیش کیا ہے کہ مواجہ کی کیفیت کو اپنے وجود میں محسوس کرکے بڑے عالمانہ اور فلسفیانہ انداز میں اپنے تأثرات خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی اسی تصنیف ''نعت اور تنقید نعت'' میں کہیں تحریر کیا ہے کہ کبھی تو شاعر کو خود بھی اس کے اپنے کہے ہوئے شعر کے معنی منکشف نہیں ہوئے۔ میرا خیال ہے جس دُرون بینی اور گہرائی میں جا کر اس نعت کا مطالعہ اور تجزیہ انھوں نے کیا ہے وہ اسی مقولے کی جیتی جاگتی اور منہ بولتی تصویر ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''صبیح نے اس نغمے کی تشکیل کے وقت اس بات کا التزام نہیں کیا ہوگا۔ ایسے نغمے تو آدمی کی روح میں۔ رب صورت و آہنگ۔ مالک حرف ونوا اور خالق اظہار و بیان رکھ دیتا ہے۔

یہ صوت و آہنگ آدمی کے ساتھ ساتھ نشوونما پاتی ہے۔ اور پھر کسی لمحے اس کا اظہار ہوجاتاہے" اس سلسلے میں یہ بیان کتنا اثر انگیز اور ایمان افروز ہے کہ "مواجہ سرور کائنات کا تجلی خانہ ہے یہ مقامِ خلوت بھی ہے اور مقامِ جلوت بھی۔" لوگوں کے اضطراب، شوق آشفتگی، حیرانگی اور نفس گم کر دی پر جب نظر جاتی ہے تو احساس ہوتاہے کہ یہاں جذبات وفکر کے دائرے حاضرین کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں۔ عالم استعجاب و تحیر ماضی سے حال تک کے تمام اوراق الٹ کر بتا تا ہے کہ اے شخص اپنی چشم بصیرت واکر یہ عالم۔ عالم خواب نہیں بلکہ وہ ذات پرنو رتیرے سامنے جلوہ افروز ہے کہ جس نے اپنی امت سے وعدہ کیا ہے کہ میں ہراس شخص کے سلام کا جواب دونگا جو میرے روضے پر آکر سلام بھیجے گا۔ مواجہ شریف پر پہنچ کر صبیح رحمانی نے اپنے قلب کی کیفیت کا اظہار نظم کے قالب میں پیش کیا ہے۔ اور نثر میں کشفی نے اس کی وضاحت اس طریقے سے کی ہے کہ الفاظ اور بین السطور کے مفاہیم مکمل طور پر قاری کے ذہن میں ابھر آتے ہیں۔ وہاں کی یہی کیفیت ہے جس نے انھیں یہ کہنے پر مجبور کیا ہے کہ آدمی یہاں تماشائی بن کر حرف ونوا کو چراغ بنتے دیکھتا ہے۔ "مواجہ میں" اور "مواجہ پر" کے باریک و نازک فرق کو بھی بڑی چابک دستی سے بیان کیا گیا ہے اس نازک فرق کی وضاحت شاعر کی دلی کیفیات و جذبات کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد کی گئی ہے۔ یہ وضاحت ان کے اپنے قلب کی کیفیت کی بھی آئینہ دار ہے۔ کیوں کہ انھوں نے محسوس کیا ہے کہ یہاں کے حاضرین کے کانوں میں ایک نغمہ گونجنے لگتا ہے۔ یہ نغمہ صرف کانوں میں گونجتا نہیں بلکہ وجود پر برستا ہے یا رس رس کر وجود کی اندرونی تہوں تک پہنچتا ہے اپنے خیالات کے علاوہ وجدان اور کیف و سرور کا ذکر کرتے ہوئے اس نعت کے لب ولہجے اور آہنگ کے متعلق یہ عجیب انکشاف کیا ہے کہ اس نعت کے لفظ "ہم" کو کھینچ کر پڑھیے اور آنکھ بند کر محسوس کیجیے "ہم" کی گونج میں ایک ایسی موسیقیت کا ظہور ہوتا ہے کہ اس کی گونج سے اسم محمد ﷺ ادا ہو رہا ہے۔ یہ موسیقیت اور نغمگی اسی شخص کو محسوس ہوگی جسے مسجد نبوی۔ مواجہ شریف اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حضور کیف و سرور کی لازوال فضا میں گم ہونے کی نعمت سے سرفراز ہونے کا شرف عطا کیا گیا ہو۔ ایسی ہی نغمگی اور موسیقیت کے لیے رئیس المتغزلیں حضرت جگر مراد آبادی نے کہا تھا:

نغمہ وہی ہے نغمہ کہ جس کو

D: Sabhi\NaatRang-14
File:Wasil
2nd Proof

روح سنے اور روح سنائے

آخر میں پوری گفتگو کو سمیٹتے ہوئے میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ پونے دو سو صفحات کی یہ مختصر سی تصنیف بڑے بڑے ضخیم پی ایچ ڈی مقالات پر بھاری ہے چند مقالات میں شاعری کی مختلف اضاف نظم و غزل الفاظ و بیان کے علاوہ سوانح، تذکرہ نگاری، تاریخ، قرآنی تفسیر، سیرتِ نبوی اور دیگر جملہ موضوعات پر بھی سرسری سا تذکرہ و تبصرہ ملتا ہے۔ تنقید اور اس کی تفہیم کے زرّیں اصول سے بھی آشنائی حاصل ہوتی ہے۔ مزید برآں اردو شعرا ادب کے نامور و نمائندہ اشخاص کا ذکر بھی کسی نہ کسی عنوان سے اس تصنیف میں آگیا ہے۔

ایک اور بہت اہم بات اس وقیع کتاب کی یہ ہے کہ کشفی نے حق شناسی۔ راست گوئی اور حق نویسی کا معیار کسی طرح بھی مجروح نہیں ہونے دیا۔ ان کے ضمیر کی آواز نے قلم کی عظمت و حرمت کو برقرار رکھا ہے۔ رشید احمد صدیقی جیسے صاحب قلم جن کے متعلق خود کشفی نے لکھا ہے کہ وہ ہمارے نثری ادب کی آبرو ہیں۔ مگر ''نقوشِ اقبال'' مصنفہ سیّدابوالحسن علی ندوی میں وہ جب اپنے دیباچہ میں نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحف سماوی کے مد مقابل لاکر پیش کرتے ہیں۔ اور نعت کو کلام اللہ کی طرح لازوال مقصود کرتے ہیں تو ابوالخیر کشفی ان کو بھی اپنی تنقید سے بالا تر نہیں خیال کرتے اور یہ کہنے سے دریغ نہیں کرتے کہ نعت کو صحف سماوی کے مانند لازوال کہنا نیت کی صداقت کے باوجود زیادتی ہے۔ صہبا اختر اور دوسرے شعرا جنھوں نے نعت کی مقدس حدود اور اس کے آداب سرحدیں پھلانگ ڈالی ہیں اور بدعت کے خارزار کو نعت کے سبزہ زار میں کھینچ لاکر اپنے کمال فن کی ناکام کوشش کی ہے۔ انھیں ایک لحہ کے لیے قابل قبول نہیں اس سے ان کی صحیح فکر۔ راست گوئی اور قلمی دیانت و درایت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حمد اور نعت کے سلسلے میں ''تو'' اور ''آپ'' کے استعمال پر اکثر اوقات بحث و تمحیص ہوا کرتی ہے اس سلسلے میں بھی بڑے محققانہ انداز میں مختلف حوالوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ''تو'' اور ''آپ'' حضور اکرم صلی اللہ و علیہ وسلم کی نعت میں استعمال کرنے سے کوئی تحقیر کا پہلو نہیں نکلتا۔ یہ اور بات ہے کہ جن صاحبان کے خیال میں ''تو'' کے لفظ میں گستاخی ہے ان کے لیے ''تو'' کا استعمال ممنوع بلکہ حرام ہے البتہ عام زندگی میں ''تو'' نے تم اور ''آپ'' کے لیے جگہ خالی کر دی ہے۔ لیکن تو کا لفظ آج بھی دنیائے شعر و شاعری

میں محبت اور اپنائیت کی نشانی ہے اس لیے اسے شجر ممنوعہ نہ خیال کرنا چاہیے۔ دراصل یہ تصنیف نعت گویوں کے لیے خصوصاً اور جملہ نقادانِ علم و ادب کے لیے عموماً ایک داعیہ اور انتباہیہ بھی ہے کہ ذکر رسول کو اتنا آسان نہ تصور کریں کہ ادب اور شریعت کے تمام حدود ختم کر دیں۔ اور اپنے قلم کی جنبش کو فیل بے زنجیر کی طرح آزاد چھوڑ دیں۔

اس وقت مجھے الہ آباد یونی ورسٹی کی اپنی طالبعانہ زندگی کا وہ زمانہ یاد آ گیا جس میں ایم۔ کام کے آڈیٹنگ کے کلاس میں پروفیسر نے ایک انگریز مصنف کا آڈیٹر کے متعلق یہ ضرب المثل جملہ دہرایا کہ:

"Auditor is a watch doz not a blood hound"

تو ڈاکٹر کشفی مجھے اس قسم کے ایک مذہبی تنقیح نگار نظر آئے جنھوں نے اپنا مزاج نعت رسول کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے بنا رکھا ہے اور اربابِ قلم کو متنبہ کرنا اپنا فریضہ تصور کیا ہے۔مگر کسی کی سرزنش کیلئے اپنے دست حق پرست میں تنبیہ الغافلیں کا عصا نہیں اٹھا رکھا۔

جس طرح کشفی نے صبیح رحمانی اور سلیم کوثر کی خوب صورت نعت اور دل فریب اشعار کی تعریف و توصیف میں اپنی جادو بیانی سے کام لیا ہے میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی انھیں کے چند خوب صورت جملوں کو نقل کرکے قارئین کے ذوق مطالعہ سے تحسین و آفرین کے کلمات حاصل کرکے اپنے کاسۂ سوال کو پر کرلوں۔ ملاحظہ فرمائیے:

> محسن کاکوروی کی مثنویاں ہماری نعتیہ شاعری کے شب افروز ہیروں کا درجہ رکھتے ہیں۔
>
> نعت کے شعروہ پھول ہیں جن پر حُبِ نبی کا آبِ حیات شادابی پر کملاہٹ کا اثر نہ ہو۔
>
> آدمی تکلف و تصنع کی بے ساکھیوں کے سہارے جدّت کی کاوش میں مبتلا نہ ہو بلکہ اپنے وجود کی سچائیوں کے ساتھ حریم ذہن اور خلوت سرائے دل کو محمدِ عربی علیہ الصلوٰۃ و السلام کی یاد اور تذکرے کے لیے وقف کر دے۔
>
> شاعر کے باطن سے ابھرتا ہوا رنگ و نور عطا اور رحمت کا یہ موسم نعت کو ایسا نقش مزین بنا دیتا ہے جس میں وہ سارے رنگ موجود

D: Sabhi\NaatRang-14
File:Wasil
2nd Proof

ہوتے ہیں۔ جن کا کوئی نام دنیا کی کسی زبان میں نہیں''، ''نسبت محمدی مٹی کو سونا۔ فسق و فجور کو تقوی اور زمین کو آسمان بنا دیتی ہے۔

ادیب و شاعر کا وسیلۂ اظہار اور متاع ہنر لفظ ہیں۔

آدمی جب بھی محدود سے لامحدود کی طرف سفر کرتا ہے اللہ کے تصور اور خیال سے ہم کنار ہو جاتا ہے اسی سفر میں وہ جوار رحمۃ للعالمین میں بھی پہنچ جاتا ہے۔

آفاقی اور اعلیٰ شاعری کے عناصر ہی نعت کے عناصر ہیں۔

ان کے خاک پا سے مس ہو کر ہر لفظ آئینہ صفت اور قیمت میں روکش لعل و گہر ہو جاتا ہے۔

اسی لیے تو اس عہد کے ممتاز شاعر کالم نگار اور ادیب سرشار صدیقی نے کشفی اور اس تصنیف کے حوالے سے کیا اچھی بات کہی ہے کہ ''نعتیہ تصانیف کے عصری ہجوم میں یہ کتاب اس لیے بھی منفرد و ممتاز ہے کہ اس کے کسی مصرے یا موضوع پر روایتی نعت کا سایہ نہیں ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب بذات خود ایک زندہ روایت کی طرح ایک عہد ساز کردار ادا کرے گی۔''

اردو ادب کے اشاعتی سرمایے میں ابھی تک ''اشاریے'' کی جس قدر قلت محسوس کی جاتی ہے اور محققین کو اپنی تحقیق کے سلسلے میں جتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کے پیشِ نظر یہاں ان اصحاب کے اسمائے گرامی نقل کیے جا رہے ہیں جن کا کسی نہ کسی حوالے سے اس تصنیف میں سرسری سا تذکرہ موجود ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میرا یہ فعل کسی کو عبث و بے کار معلوم ہو مگر میری نیت یہ ہے کو کچھ عجب نہیں کہ نبی رحمت کے اس تذکار میں اس شخص پر بھی قدرت خداوندی اپنی بارش کرم کردے جس کا صرف نام لیا گیا ہے کیوں کہ وہ تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں اور:

جو تیری گلی سے گزر گیا وہ برا بھی ہوتو برا نہیں

یہ اصحاب درج ذیل ہیں:

قلی قطب شاہ، ملا وجہی، ولی دکنی، ہاشمی دکنی، میر تقی میر، سودا، مصحفی، غالب، سرسیّد، حالی شبلی، ڈپٹی نذیر احمد، اصغر گونڈوی، فانی بدایونی، جگر مراد آبادی، حسرت موہانی، محسن کا

کوروی، میر امن، اقبال، ظفر علی خاں، اکبر الہ آبادی، مہدی الافادی، احسان دانش، یاس یگانہ چنگیزی، اقبال سہیل، اختر حیدرآبادی، امجد حیدرآبادی، امیر مینائی، ریاض خیرآبادی، جوش ملیح آبادی، حفیظ جالندھری، حفیظ ہوشیارپوری، عبدالرحمٰن بجنوری، تابش دہلوی، ماہرالقادری، ذوالفقار علی بخاری، فیض احمد فیض، معین احسن جذبی، مجاز لکھنوی، سراج الدین ظفر، مومن خاں مومن، عابد علی عابد، محمد علی جوہر، نسیم دہلوی، آغا شاعر، عظمت اللہ خان مطلبی فریدآبادی، آرزو لکھنوی، کرامت علی شہیدی، عبدالحلیم شرر، بہزاد لکھنوی، حمید لکھنوی، خواجہ حسن نظامی، اختر الایمان، عبدالعزیز خالد، حنیف اسعدی، حفیظ تائب، ش ضحیٰ، ناصر کاظمی، سرشار صدیقی، ریاض مجید، رئیس علوی محسن احسان، ابن انشاء، نگار صہبائی، نعیم صدیقی، مظفر وارثی، جمیل الدین عالی، کلیم عاجز، عبدالقیوم ناشاد، آفتاب کریمی، صہبا اختر، نسیم خواجہ، رضی اختر شوق، فہیم فرید، سلیم کوثر، جلیل عالی جمیل نقوی، صبیح رحمانی، عزیز لکھنوی، فضل احمد کریم فضلی، پیر زادہ قاسم، عثمان رمز، امتیاز ساغر، شیر افضل جعفری، عرش صدیقی، ثروت حسین، اطہر نفیس، سعید وارثی، قمر ہاشمی، شفیق بریلوی، ہاجرہ مسرور، رشید وارثی، ضمیر اظہر قمر انجم، ن۔ م۔ راشد شہزاد احمد، راجا رشید محمود، احمد مقبول پوری، قاضی اختر جوناگڑھی، مجنوں گورکھپوری، حسن عسکری، رشید احمد صدیقی، عبدالرحمٰن بجنوری، حامد حسن قادری، امداد امام اثر، عبادت بریلوی، کلیم الدین احمد، فراق گورکھپوری، دتاتریا کیفی، گوپی چند نارنگ، والیٹر، نطشے، ٹیگور، سقراط، ارسطو، البیرونی، ابن خلدون، ٹی ایس ایلیٹ، فاکر، الفریڈ کو ازبسکی، ایملی ڈکنن۔

حضرت نظام الدین اولیا، خواجہؒ بختیار کاکی، سیّد احمد شہیدؒ، شیخ الہند محمود الحسنؒ، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالقادرؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا احمد رضا خان بریلویؒ، مولانا مودودیؒ، سیّد ابوالحسن علی ندوی رشید ترابی، خواجہ حافظ، چراغ دہلوی، غزالی، عراقی، جامی، فتح محمد جالندھری، بے نظیر بھٹو، میاں نواز شریف۔

اس کے علاوہ ان نعت خواں حضرات کے نام بھی اس کتاب میں مل جاتے ہیں جنھوں نے نعت خوانی میں اپنا مقام پیدا کر رکھا ہے۔ اعظم چشتی۔ قاری وحید ظفر قاسمی، خورشید احمد، صدیق اسمٰعیل، منیبہ شیخ، ام حبیبہ۔

D: Sabhi\NaatRang-14
File:Wasil
2nd Proof

احمد صغیر صدیقی۔ کراچی

پروفیسر شفقت رضوی کی دو نئی کتابیں

ماہِ رمضان کے گیارھویں تاریخ تھی۔ مجھے دو کتابیں مدیر ''نعت رنگ'' کے توسط سے اس فرمائش کے ساتھ موصول ہوئیں کہ ان پر تبصرہ کر دیا جائے۔ میں نے کتابیں دیکھیں تو دل بہت خوش ہوا کہ دونوں کے نام ایسے موضوعات سے متعلق تھے جو کسی بھی مسلمان کے دل میں اشتیاق کے در وا کرنے والے کہے جاسکتے ہیں۔ پہلی کتاب کا نام تھا، ''اردو میں حمد گوئی'' اور دوسری کا نام تھا، ''اردو میں نعت گوئی''۔ پھر جب میں نے مصنف کا نام دیکھا تو یہ خوشی دوبالا ہوگئی کہ ان پر بحیثیت مصنف جناب پروفیسر شفقت رضوی کا نام درج تھا۔

پروفیسر شفقت رضوی سے میں کبھی شرفِ ملاقات حاصل نہیں کرسکا مگر ان کے علمی مقام کا میں مدتوں سے معترف رہا ہوں۔ ان کے چند مضامین جو انھوں نے جوش ملیح آبادی کی مذہبی شاعری پر لکھے تھے مجھے بے حد اچھے معلوم ہوئے تھے میں ان کی بے باکی، حق گوئی اور خدا اور رسول سے ان کی والہانہ محبت کا تبھی سے معترف ہوگیا تھا۔ بعد میں مجھے ان کے اور بہت سے مضامین ''نعت رنگ'' میں پڑھنے کو ملے اور ان کے قلم کے زور اور عالمانہ فکر کے بارے میں جو رائے میں نے قائم کی تھی وہ مزید مضبوط ہوگئی۔ رمضان کے مہینے میں ایسی ہی کتابیں پڑھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ کتابیں شکریے کے ساتھ پڑھیں ہیں۔

''اردو میں حمد گوئی'' ۲۱۵ صفحات پر محیط کتاب ہے۔

اس میں رضوی صاحب نے جن موضوعات پر قلم اٹھایا ہے وہ کچھ یوں ہیں:

(۱) حمد صنفِ سخن ہی نہیں ایمان کا حصہ ہے۔

(۲) حمد گوئی صنفِ سخن ہے یا نہیں۔

(۳) حمد و نعت کو عقیدے اور شاعرانہ نقطۂ نظر سے جانچنا چاہیے یا نہیں۔

(۴) ذکرِ خدا غیر مسلم شعرا کے کلام میں۔
(۵) مطالعۂ حمدیہ دواوین (اِس میں انھوں نے پہلے حمدیہ دیوان سے لے کر ترتیب وار ۱۵ دواوین حمد کا جائزہ لیا ہے)

مندرجہ بالا عنوانات کو دیکھ کر یقیناً آپ کو بھی میری طرح مایوسی ہوئی ہوگی۔ کتاب کے نام سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں اردو میں ''حمد'' کے آغاز، اس کے ارتقا، اس کی صورتیں، اس کے موضوعات، اقسام، اس پر مختلف زبانوں کے اثرات، میلانات، رجحانات، قدیم و جدید اسالیب کے نشانات، محرکات، ماخذات، اس کے فنی اور فکری جائزے، حمدیہ شاعری کو فروغ دینے والے اہم شعرا، ان کے کلام کے تجزیے اس کے حدود وغیرہ سے سیر حاصل بحث کی گئی ہوگی... مگر اِس کتاب میں ان تمام باتوں سے سرسری گزرتے ہوئے مصنف نے صرف چند حمدیہ دواوین کے جائزے تک خود کو محدود کر دیا ہے۔ اِس صورت میں اگر اِس کتاب کے نام کو Mis-Leading کہا جائے تو شاید کچھ غلط نہ ہوگا۔ ایک بہت محنت طلب کام کو سہل انگاری کے ساتھ نمٹایا گیا ہے جو پڑھنے والے کو مایوس کرتا ہے۔ اِس لحاظ سے یہ کتاب کوئی تحقیقی کتاب نہیں ہے تاہم اسے ''حمدیہ شاعری'' کی صورتِ حال کی عکاس ضرور کہا جاسکتا ہے۔

کتابیں اس لیے نہیں لکھی جاتیں کہ جو کچھ لکھا جاچکا ہے یہی دوبارہ کسی کتاب میں لکھ دیا جائے۔ لیکن اس کتاب میں یہی کچھ نظر آ رہاہے۔ مگر یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا۔ اب کتاب پر ترتیب وار نظر ڈالتے ہیں کہ کسی کتاب کے جائزے کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔

اپنے اظہاریے میں رضوی صاحب نے کتاب لکھنے کی غرض و غایت کے بارے میں لکھا ہے:

''... پھر بھی پاک نفسوں کا ذکر کرنے اور ان کے تخلیقی تحریری کارناموں پر خراجِ تحسین پیش کرنے کو اپنا فرض گردانتا ہوں اِسی حوالے سے تجزیاتی اور تنقیدی رویے کو اپنا کر اپنا قلم اٹھا رہا ہوں...''

اِسی میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''زیرِنظر کتاب میرے کسی منصوبے کا حصہ ہے... اردو کے مذہبی لٹریچر میں حمد کی کمی بہت محسوس کی جاتی ہے... ''اردو میں حمد گوئی'' اِسی تحریک کو آگے بڑھانے میں معاون

ثابت ہوگی۔"

اِس سے آگے وہ مضمون ہے جس کا عنوان ہے: "حمد صنفِ سخن ہی نہیں بلکہ ایمان کا حصہ ہے"۔

حمد شعائرِ اسلامی کا لازمی جز ہے۔ اِسے ثابت کرنے کے لیے حدیثوں اور آیاتِ ربانی سے مدد لی گئی ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حمد دنیا کی تمام زبانوں میں ادب کا حصہ رہی ہے۔ مگر صرف اتنا لکھ کر مصنف آگے گزر گیا ہے اِس کی مثالیں کتاب میں موجود نہیں۔ نظم میں حمد گوئی کسی خاص ہیئت تک محدود نہیں کی بات کرتے ہوئے مصنف نے ہیئت کے چند تجربوں کی مثالیں بھی دی ہیں۔

یہاں بھی مصنف نے معقول نمونے تلاش کرنے میں محنت نہیں کی ہے بلکہ جو پہلی چیز ہاتھ لگی لکھ دی ہے۔ ایک ہائیکو بطور مثال دیا گیا ہے۔ جو ہو بہ ہو نقل کیا جا رہا ہے:

سب سے اونچا نام ان کا
سجدہ اس ہی کے نام کا کرتا ہوں
پھر محمد کا ورد کرتا ہوں

(اس میں پروف کی غلطیاں محسوس ہو رہی ہیں۔ اس کتاب میں اس طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے)

حیرت ہوتی ہے کہ رضوی صاحب جیسا عالم لکھتا ہے کہ "...یہ چند نمونے ہیں جن سے شعرا کے اخلاص اور شعری مہارت کا پتا چلتا ہے۔"

ہمیں اِس ہائیکو میں سوائے شعری اناڑی پن اور کم فہمی کے کچھ نظر نہیں آرہا ہے۔ آگے رضوی صاحب نے یہ لکھ کر کہ اردو کا دامن ایسے "جواہر پاروں" سے بھرا ہوا ہے۔ ہمیں حیرت میں غرق کر دیا ہے۔

اپنے اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے رضوی صاحب نے جو سطور لکھی ہیں وہ اپنی کتاب کے ناشر کی شان میں ہیں۔ ان سے خود رضوی صاحب کے لکھے ہوئے جملوں کی بھرپور تصدیق ہوتی نظر آئی جو انھوں نے اپنی دوسری کتاب "اردو میں نعت گوئی" کے صفحہ ۲۱۹ پر لکھے ہیں:

"اچھے دوست ایسے ہی ہوتے ہیں کہ کسی کا قرضہ چڑھا نہیں رکھتے۔"

D: Sabhi\NaatRang-14
File : Makala11
Final

کتاب کے دوسرے باب کا عنوان ہے: ''حمد و نعت اصناف ِسخن ہیں یا نہیں؟''
اس سوال کا جواب لکھتے ہوئے Form اور Subject کے حوالے سے بات آگے بڑھائی گئی ہے۔ مگر کوئی ضمنی بات نہیں کہی گئی ہے۔
کتاب کا تیسرا باب ''حمد و نعت کو عقیدہ اور شاعرانہ نقطۂ نظر سے جانچنا چاہیے۔'' سے متعلق ہے۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

میرے خیال میں اس کی سب سے بڑی وجہ تنقیدی شعور کا فقدان کا ہے۔ اردو شعر و ادب کا معیار پسند اور ناپسند پر رہا ہے۔ دوسرے ہم نے شعر و ادب کو شعر و ادب کے پیمانے سے ناپنے کی عادت کبھی نہیں ڈالی۔ تیسری وجہ ادبی تاریخ لکھنے والوں کی تنگ دامانی ہے۔ چوتھی وجہ جامعاتی نصاب کا تعین کرنے والوں کا محدود دائرۂ علم ہے۔

ان کا کہنا ہے:

مذہبی لٹریچر کے بارے میں یہ رویہ رہا ہے کہ ان سب نے انھیں مقدس جانا ہے... ناقدانہ نظر ڈالنا بے ادبی سمجھا گیا ہے۔
... بے لاگ تبصرہ نہ ہونے سے یہ اصناف پھول پھل نہ سکیں اور ادب میں ان کے مقام کا تعین نہ ہوسکا۔

رضوی صاحب نے بہرحال اس لٹریچر کو ماورائے تنقید نہیں سمجھا ہے۔ ہم ان کی اس بات سے متفق ہیں۔ ''شعر سخن ہی نہیں ماورائے سخن بھی کچھ ہوتا ہے۔ شاعری وہی ہے جو ماورائے سخن پر بھی نظر رکھے۔ وہ کہتے ہیں:

''پس معلوم ہوا کہ بہت سی باتوں کی ایک ہیئت کے باوجود کوئی بات ایسی ہے جو تنوع پیدا کرتی ہے وہ ہے اسلوب، لب و لہجہ، فکرنو... یہی تنوع شاعری کہی جاتی ہے۔''

وہ کہتے ہیں:

''... اگر شعریت نہیں ہے تو وہ کلام اور کچھ ہے، حمد و نعت نہیں ہے۔''

اس جگہ ہم رضوی صاحب کا وہ قول نقل کرنا چاہیں گے جو انھوں نے اپنے اظہاریے میں لکھا ہے:

''حمد گوئی کے لیے بنیادی لوازمہ علم و عرفان ہے۔''

وہ لکھتے ہیں:

''...اس کے بعد آخری درجے پر وہ صفت آتی ہے جسے فی زمانہ شعرائے کرام

اوّلیت دیتے ہیں یعنی فن دانی، زبان دانی، قوتِ اظہار، ندرتِ اسلوب، زبان کی چاشنی، کرشمہ سازی اور بیان کے تنوع کو کام میں لاکر شاعری کا نمونہ تیار کر لینا۔"

دیکھیے ان کے یہ دونوں بیانات ایک دوسرے کی ضد ہیں یا نہیں؟ پہلے بیان میں وہ اسلوب، لب و لہجہ اور شعریت پر زور دیتے ہیں اور دوسرے میں ان باتوں کو وہ آخری درجے پر رکھ دیتے ہیں۔

ایسا لگتا ہے مصنف کے اپنے ذہن میں بھی یہ بات صاف نہیں کہ اچھی حمد کیسی ہوتی ہے اور اسے کس طرح پرکھا جاسکتا ہے۔

اس مضمون کو انھوں نے جن سطور پر ختم کیا ہے وہ بھی قاری کو مخمصے میں ڈالنے والی ہیں، لکھتے ہیں:

اب جو ہائیکو، سانیٹ، سین ریو وغیرہ کا (زبردستی) رواج عام ہو رہا ہے ان کو آورد کے ذیل میں رکھیں۔ انھیں صنعت گری کے بے اثر نمونے قرار دے کر انھیں فطری اور وجدانی شاعری کے مقابل لانے کی کوشش نہ کریں۔

یہاں غالباً پراثر لکھا گیا ہوگا مگر پروف خوانی کی سمت سے بے اعتنائی کی وجہ سے "بے اثر" لکھ دیا گیا۔

ان سطور سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ یہی نا کہ ہائیکو وغیرہ کے فارم میں فطری اور وجدانی شاعری ہو ہی نہیں سکتی... کیا اس بات سے کوئی اتفاق کرسکتا ہے؟

اِس کتاب کے حصۂ اوّل کا آخری مضمون ہے: "ذکر خدا غیر مسلم شعرا کے کلام ہیں"۔ بے شک اس میں رضوی صاحب نے محنت کی ہے۔ اور بہت سا کلام جمع کیا ہے۔ اس بات میں رضوی صاحب نے متعدد غیر مسلموں کے اقوال رقم کیے ہیں اور انھیں بنظر استحسان دیکھا ہے، اور لکھا ہے:

غیر مسلم شعرا خداشناسی کے ساتھ قرآن فہمی کا ثبوت دیتے ہیں۔

اِس ضمن میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ ان کے یہ ثبوت بودے ہیں۔ اگر وہ لوگ واقعی قرآن شناس ہوتے تو مسلمان ہوگئے ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی حمدیہ شاعری ہو یا نعتیہ... اسے صرف شاعری ہی کہنا چاہیے... اور بس۔ ان کی یہ روش سماجی کشادہ دلی کے کھاتے میں ڈالی جاسکتی ہے مگر مذہبی سطح پر اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ بہرحال ان باتوں سے

قطع نظر رضوی صاحب کا لکھا ہوا یہ مضمون خاصا تحقیقی ہے اور محنت سے لکھا ہوا ہے۔ ہرچند کہ جو حمدیہ کلام لکھا گیا ہے اسے کسی طرح معیاری نہیں کہا جاسکتا۔ یہ سب باتیں کچھ اس طرح نظمائی گئی ہیں کہ ان سے کچھ اچھی کیفیت دل و دماغ پر طاری نہیں ہوتی بلکہ آدمی پڑھ کر سوچتا ہے اسے نثر میں لکھ دیا جاتا تو اچھا تھا۔ تاہم بعض شعرا کے ہاں واقعی شعری رچاؤ کے ساتھ حمدیہ شعر موجود ملے ہیں۔ ایک شعر دیکھیے:

اللہ روحِ کون و مکاں ہے
روح نبوت حضرتِ محمد
(برج موہن لالہ تکو)

اس جگہ میں ایک شعر اور نقل کروں گا:

اپنے ہی چشم کے تئیں تاب نظر نہیں
ورنہ وہ آفتاب کہاں جلوہ گر نہیں
(وفا، راجانول رائے)

اس کتاب کا دوسرا حصہ مختلف حمدیہ دواوین کے سرسری جائزوں پر مشتمل ہے۔ مجھے ان دواوین سے جو نمونے رضوی صاحب نے دکھائے ہیں کچھ بھلے نہیں لگے۔ ان میں درج حمدیہ شاعری عمدہ حمد کے معیار سے بہت نیچے کی ہے۔ خود شفقت رضوی صاحب نے یہ حقیقت تسلیم کی ہے اور پندرہ عدد مجموعوں میں سے صرف تین مجموعوں کو ''بہتر'' کی سند عطا کی ہے۔ انھیں اپنی کتاب کے ناشر کا حمدیہ مجموعۂ کلام بھی شعر ہنرمندی کا کمال محسوس ہوتا ہے۔ اور انھوں نے اس پر صاحب دیوان کو مبارک باد دی ہے۔

(۲)

پروفیسر شفقت رضوی کی دوسری کتاب کا نام ہے: ''اردو میں نعت گوئی''

اس میں رضوی صاحب نے اپنے وہ مضامین جو نعت کے موضوع پر انھوں نے لکھ کر ''نعت رنگ'' میں اور دوسری جگہوں پر چھپوائے تھے یکجا کر دیے ہیں۔ اپنے اظہاریے میں انھوں نے چند باتیں لکھیں، مثلاً:

''فی زمانہ جس نوع کا نعتیہ ادب تخلیق ہو رہا ہے اس میں ہیئت کے تجربے ہوتے ہیں یا لفظیات کے بوالعجبی ہوتی ہے... اس کی اہمیت ثانوی ہے۔ زور ہیئت یا لفظ پر نہیں،

مضمون پر ہونا چاہیے۔ تجربوں سے صنعت گری ظاہر ہوتی ہے، اثر پذیری نہیں۔"

ہمارے خیال میں یہ ان کا ذاتی خیال تو ہوسکتا ہے اس کو من وعن قبول نہیں کیا جاسکتا۔ مضمون کی اہمیت اپنی جگہ مگر وہ اچھی طرح نظم نہ کیا گیا ہو تو وہ کس طرح اثرانگیز ہوسکتا ہے؟

اس کتاب میں "اردو نعت پر تاریخی، تحقیقی اور تنقیدی کتب" کے عنوان سے مضمون ہے اور خاصی محنت سے لکھا ہوا ہے۔ اس میں ایک جگہ ڈاکٹر ریاض مجید کی ایک کتاب کا ذکر ہے جس کا نام بھی وہی ہے جو رضوی صاحب کی کتاب کا ہے۔ یعنی "اردو میں نعت گوئی" اچھا ہوتا کہ وہ اپنی کتاب کا نام کچھ بدل کر رکھتے کیوں کہ خود انھوں نے اپنے مضمون میں لکھا ہے:

"لاشریک کے نام سے طفیل دارا کا ایک دیوان چھپ چکا ہے... یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ مظفروارثی جیسے بیدار مغز کی نظر ان سے کسی ہم عصر کا دیوان نہ گزرا ہو۔ نئے مجموعے کو وہی نام دینا اچھا تأثر نہیں دیتا۔"

اس کتاب میں دوسرے مضامین کے عنوانات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ کس قسم کے ہوں گے۔ "اردو نعت تاریخ و ارتقا" "نعت کے حدود" "چھمی نارائن کا معراج نامہ"، "تمیزلکھنوی کی نعتیں"، "غالب حضور رسالت مآب میں"، "حسرت موہانی کی نعت گوئی"، "دست دعا کا شاعر"، "طاہر سلطانی کی نعتیہ شاعری"، "خوش خصال نعت گو صبیح رحمانی" اور "اردو نعت میں جدید اسالیب پر ایک نظر"

بلاشبہ ان میں کئی مضامین بہت عمدگی سے لکھے گئے ہیں اور کتاب کی افادیت کو بڑھاتے ہیں۔ ان سب پر نظر ڈالنا ایک طویل کام ہوگا۔ اسی لیے ہم ان کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں لکھنا چاہتے تاہم چند باتیں جو ابھر کر سامنے آئیں انھیں پر قناعت کرتے ہیں، مثلاً طاہرسلطانی کی نعتیہ شاعری رضوی صاحب کا مضمون ان کی جانب سے احسان مندی کے اعلان سے شروع ہوا ہے:

"بعض معاملات میں انھوں نے مجھ سے جس اخلاص کا مظاہرہ کیا اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔"

"طاہر سلطانی کی محبت کھرے سونے کی مانند ہر ملاوٹ سے پاک ہے۔ اسی جذبے نے انھیں شعرگوئی کی طرف مائل کیا۔"

D: Sabhi\NaatRang-14
File : Makala11
Final

''طاہر شعر نہیں کہتے شعر ان سے کہلواتا ہے۔''

ظاہر ہے کہ ان جذبات کے تحت کسی بھی شخص کے کلام کا جو جائزہ لیا جائے گا اس پر اعتبار کرنا مشکوک ہوگا۔ مگر رضوی صاحب نے اپنی کتابوں کے ناشر طاہر سلطانی صاحب کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیا ہے جسے جائزہ نہیں بلکہ ''مداحی'' کہنا مناسب ہوگا کہ اس میں صرف تعریف کی گئی ہے وہ بھی آنکھیں بند کر کے۔

شفقت صاحب نے ان کی شاعری کے جو نمونے دیے ہیں ان میں سے یہ شعر دیکھیں:

تمنا ہے طاہر رہے مرتے دم تک
زباں پر درود و سلام اللہ اللہ

(اس شعر میں ردیف کو بس بڑھا دیا گیا ہے کہ ''اللہ اللہ'' ایک استعجابی کلمہ ہے جو اس شعر میں کسی طرح فٹ نہیں ہو رہا ہے۔ مگر رضوی صاحب نے اِدھر کوئی توجہ نہیں دی ہے اور اس عیب سے صرفِ نظر کیا ہے)

رہے نم ہمیشہ جو یاد نبی میں
میں آقا سے وہ چشم تر مانگ لوں گا

(اس شعر میں ''نبی'' اور ''آقا'' حالاں کہ ایک ہی ہیں مگر شاعر نے انھیں دو میں تقسیم کر دیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ نبی کی یاد خوشی کا موجب نہیں بلکہ کوئی بہت غمگین کر دینے والی بات ہے)

میں سمجھتا ہوں رضوی صاحب اگر شدید احسان مندی کی گرفت میں نہ ہوتے تو شاید وہ اس قسم کے کمزور اشعار کو کوٹ کرنے کا رِسک نہ لیتے۔

چند اشعار اور دیکھیں جنھیں رضوی صاحب نے پیش کرنے سے قبل لکھا ہے:

طاہر سلطانی اپنے پاکیزہ جذبوں سے ہی دل موہ نہیں لیتے ہیں بلکہ ان کی شاعرانہ استعداد بھی چونکا دینے والی ہے۔ وہ طویل ردیف اور تکرار لفظی سے تنوع اور دلچسپی پیدا کرتے ہیں، مصرع:

جس کو بھی مل گئی خیر سے آپ کی رہبری رہبری رہبری

☆

نعت ہی کے لیے وقف ہے اب میری شاعری شاعری شاعری

(میرا خیال ہے ردیف نہ تو تنوع پیدا کر رہی ہے اور نہ دلچسپی البتہ ایک لفظ کی تین بار بلاضرورت تکرار ضرور ایسی چیز ہے کہ سننے والے کو چونکنا ہی پڑتا ہے۔ یہ ایک دوسری بات ہے کہ چونکنے کے بعد وہ شاعری پر جو نگاہ ڈالتا ہے وہ کچھ اچھی نہیں ہوتی)

اس کتاب میں ایک اور مضمون ہے: ''اردو نعت اور جدید اسالیب پر ایک نظر'' دراصل ''اردو نعت اور جدید اسالیب'' ایک کتاب ہے جس کے مصنف عزیزاحسن صاحب ہیں۔ اس مضمون میں میرے خیال میں پروفیسر شفقت رضوی صاحب اسی طرح ''غیرمتوازنی'' کا شکار ہوئے ہیں جس طرح طاہرسلطانی یعنی اپنی کتاب کے ناشر پر مضمون لکھتے ہوئے یہ کیفیت ان پر طاری ہوئی تھی۔ پہلے وہ احسان مندی کے جذبات کے تابع تھے۔ اس بار وہ اس مضمون میں وہ کسی سبب سے معاندانہ جذبات میں یہ کہتے نظر آتے ہیں:

ابتدا ہی انھوں نے جارحانہ انداز سے کی ہے... ''بسا اوقات جب خالی وقت میں کوئی کتاب اپنی دلچسپی کے موضوع پر میسر نہ آئے تب بھی شوق اصرار کرتا ہے کہ جو بھی معیاری یا غیرمعیاری کتاب سامنے آئے پڑھ لیا جائے... ایسے ہی لحات میں عزیزاحسن کی کتاب ہاتھ لگی۔''

اس کتاب پر لکھتے ہوئے انھوں نے خود عزیزاحسن کو بھی لپیٹا ہے، مثلاً:

''موصوف خوداعتمادی کی صفت سے عاری ہیں... صاحبِ کتاب کو اپنی ذات سے زیادہ دوسروں کے کہیے پر بھروسہ ہے...''

''دوسروں کے اگلے ہوئے حوالوں کی جگالی کرنا دانش مندی ہے نہ تنقیدنگاری۔''

''انگریزی مترادفات نہ ملنے پر اپنے ذہن رسا سے اوٹ پٹانگ اصطلاحات ایجاد فرما دیتے ہیں۔''

یہی نہیں رضوی صاحب نے اس کتاب کے ناشر (صبیح رحمانی) کو بھی نہیں بخشا ہے، لکھتے ہیں:

''ناشر کی جاری کردہ تحریری سند کہ ان کے مضامین میں جابجا نظر آنے والے مشرقی و مغربی ادب کے شعری حوالے ان کی وسعتِ مطالعہ کی دلیل ہیں، کسی کام کی نہیں۔''

ایک جگہ انھوں نے عزیزاحسن صاحب کی ''انگریزی دانی کے ذریعے مرعوب کرنے

کی کوشش کو دکھانے کے لیے بہت سے انگریزی الفاظ لکھے ہیں جو بقول ان کے عزیز احسن نے اپنی کتاب میں لکھے ہیں، مثلاً:

"content، مافیہ/ تحسین appreciation وغیرہ اس جگہ بھی وہ تنقید کرتے ہوئے جذباتی نظر آتے ہیں۔ دیکھیے یہ انداز تحریر کیسا ہے:

"...استاد نے بیان میں یوں ہی انگریزی اور اردو الفاظ استعمال کر لیے تھے اور شاگرد نے انھیں من و عن لکھ لیا تھا۔ اب برسوں بعد استاد کے اگلے ہوئے نوالوں کی جگالی کر رہا ہے۔ یہ ہوتا ہے فرق اپنی اور پرائی سوچ کی پیروی میں جنھیں اپنی زبان پر قابو نہیں وہ زبان غیر میں کیا شرح آرزو کرے گا۔

جہاں تک انگریزی کے الفاظ کے استعمال کا تعلق ہے۔ میں بھی اور خود جناب شفقت رضوی صاحب بھی اکثر و بیشتر ایسا کرتے ہیں (دیکھیے مذکورہ کتاب کا صفحہ نمبر ۳۶، ۲۲، ۱۷۴، ۱۰۶ اور ۱۰۳ وغیرہ) اس سے ہرگز یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے علمیت جتانے کی کوشش کی گئی ہے اور اگر یوں ہی ہے تو پھر میں اور خود شفقت رضوی صاحب بھی اسی اعتراض کا شکار کہے جاسکتے ہیں جو عزیز احسن پر کیا گیا ہے۔

تمام مضمون اسی قسم کی باتوں سے بھرا ہوا ہے۔ رضوی صاحب نے غم و غصے کے کیفیت میں کتاب پر کم اور مصنف اور اس کے ناشر پر زیادہ تنقید کی ہے۔ اس طرح وہ کتاب کے ساتھ انصاف نہیں کر سکے ہیں ساتھ ہی وہ خود اپنی ناقدانہ ساکھ کو بھی داؤ پر لگا بیٹھے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ رضوی صاحب نے کن حالات اور جذبات کے تحت یہ جائزہ لکھا ہے جسے کسی بھی طرح معروضی نہیں کہا جاسکتا۔

میری نظر سے یہ کتاب گزر چکی ہے اور میں سمجھتا ہوں یہ اپنے موضوع کے اعتبار سے ایک منفرد کتاب ہے اور پڑھے جانے کے لائق ہے۔

پروفیسر علی محسن صدیقی۔ کراچی

مجلّہ "نعت رنگ" کا ایک طائرانہ جائزہ

میں کراچی یونی ورسٹی سے بہ حیثیت پروفیسر ریٹائر ہوئے کے بعد جو فرصت ملی، اسے غنیمت جان کر اپنے نامکمل علمی کاموں کی تکمیل میں مشغول ہوگیا اور اس خانہ نشینی کے باعث مجھے یہ فائدہ پہنچا کہ میری چار نا تمام کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہوگئیں، ایک کتاب زیرِ طبع ہے اور دو مکمل ہوکر منتظرِ طباعت ہیں، میرے منتشر علمی مضامین بھی تین جلدوں میں مرتب ہوگئے اور اس وقت ایک کتاب "سیرتِ رسول اکرم (ﷺ)" پر اور دوسری "سیرتِ فاروقِ اعظم (رضی اللہ عنہ)" پر زیرِ تسوید و تحریر ہیں۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو میری زندگی محض معاشی تگ و دو کی ندر ہوجاتی اور بسیار طلبی کی ہوس میں یہ فرصت صرف ہوجاتی جس کا افسوس مرنے کے بعد بھی دامن گیر ہی رہتا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس نعمت غیر مترقبہ کی قدر کی توفیق ارزانی فرمائی۔ مگر اس سے ایک نقصان بھی ہوا کہ بعض چالاک افرد نے میرے مضامین سرقہ کرکے بڑی خیرہ سری کے ساتھ اپنے نام سے شائع کروا دیے۔ اس ضمن میں کراچی یونی ورسٹی کے شعبۂ معارفِ اسلامیہ کے ایک استاد جلال الدین احمد نوری نے یہ کارنامہ انجام دیا کہ کراچی کے علمی و مذہبی مجلّہ "نعت رنگ" نمبر۶ میں میرے مقالہ بر امام بوصیریؒ اور قصیدۂ بردہ کو اپنے نام سے شائع کرادیا اور اس کا عنوان یہ رکھا "قصیدۂ بردہ کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ۔" جلال الدین دوسروں کے مضامین کو اپنی تحویل بلکہ تولیت میں لینے میں بہت بے باک اور کشادہ دامن ہیں۔ میری کتاب، جس کے مقدمے کو انھوں نے بڑی خیرہ سری اور شوخ چشمی سے چرا کر اپنے نام سے چھپوا دیا، مکتبۂ اسحاقیہ، کراچی سے "بردۃ المدیح" کے نام سے ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی، اور اب قدیمی کتب خانہ کراچی سے مسلسل شائع ہو رہی ہے اور ایم اے (معارفِ اسلامیہ) کے نصاب میں شامل ہے۔ وہ کوئی گم نام کتاب نہیں ہے۔ ۱۹۷۳ء میں

D: Sabhi\NaatRang-14
File:Makala12
Final

اس کے مقدمے کو سیارہ ڈائجسٹ کراچی نے شائع کیا۔ اسی زمانے میں ''المعارف'' لاہور میں وہ مقدمہ چھپا۔ رسالہ ''فکر و نظر'' اسلام آباد، ''فاران'' کراچی، ''الحق'' اکوڑہ خٹک وغیرہ سے اس پر تبصرے شائع ہوئے۔ آج بھی اردو بازار کراچی میں دست یاب ہے اور کراچی یونی ورسٹی کے شعبۂ معارفِ اسلامیہ کے طلبہ و اساتذہ اس سے بہ خوبی واقف ہیں اور جلال الدین نوری بھی اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔ کتاب زیرِ نظر کے معروف ہونے کے باوجود، اس کے مقدمے کو اپنے نام سے چھپوانا چوری نہیں بلکہ ڈاکہ ہے۔

چہ دلاور است وزدے کہ بکف چراغ دارد

بہرکیف جلال الدین نور کے اس سرقہ کا بھانڈا ایک ہندوستانی عالم مولانا ملک الظفر سہسرامی نے پھوڑا۔ انھوں نے مدیر 'نعت رنگ' سیّد صبیح الدین رحمانی صاحب کو ایک مراسلہ لکھا جو بلا کسی تبصرے کے ''نعت رنگ'' کے شمارہ نمبر۹ میں شائع ہوا، حالاں کہ مدیر مجلّہ ''نعت رنگ'' کو اس پر ادارتی نوٹ لکھنا چاہیے تھا۔ مولانا کے مکتوب کا متعلقہ حصہ نذر قارئین ہے:

> ایک اہم بات جو اردو ادب میں نئی نہیں اور اردو صحافت سے وابستہ حضرات کے لیے بھی یہ کوئی نیا انکشاف نہیں، آئے دن اس طرح کی حرکتیں ہوتی رہتی ہیں۔ مضمون کسی کا، نام کسی کا۔ لیکن نعت رنگ جیسے معیاری تحقیقی جریدے میں جب اس طرح کی کوئی اوچھی حرکت کا ارتکاب کرتا ہے تو آپ یقین فرمائیں کہ خون کھول اٹھتا ہے اور بھی اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر اور محقق کا دُم چھلا لگانے والا کوئی شخص ایسی حرکت کرتا ہے تو حیرتیں اپنی انتہا کو چھونے لگتی ہیں۔ ''نعت رنگ'' شمارہ نمبر۶ میں ''قصیدۂ بردہ کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ'' کے عنوان سے ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری کا تحقیقی مقالہ شائع ہوا ہے۔ اس امر کا انکشاف آپ کے لیے بھی حیرتوں کا باعث ہوگا کہ یہ مقالہ آج سے ۲۸ سال قبل پاکستان سے شائع ہونے والے ''سیارہ ڈائجسٹ'' کے ''رسول نمبر'' حصہ دوم، جلد۲، شمارہ نومبر۱۹۷۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔ جو (پروفیسر) علی محسن صدیقی کا مقالہ ہے۔ اس کی تلخیص عبدالکریم عابد نے کی۔ اگر آپ نے چاہا تو اس کی عکسی کاپی بھی فراہم کی جاسکتی

ہے۔ آپ اس کا مطالعہ فرما کر ایسے لوگوں کے خلاف سخت محاسبانہ رویہ اختیار کریں۔ (''نعت رنگ''، شمارنمبر۹، صفحہ ۲۵۵)

جلال الدین نوری کی اس سینہ زوری کا ذکر جناب راجا رشید محمود صاحب، مدیراعلیٰ ماہ نامہ ''نعت'' لاہور نے بھی اپنے مضمون ''اولیاتِ نعت'' میں کیا ہے۔ بہرکیف اس چوری اور سینہ زوری بلکہ نوری کی مکروہ ترین خزیت سے جہاں مجھے سخت ذہنی کوفت ہوئی، وہیں یہ فائدہ بھی ہوا کہ مجلّہ ''نعت رنگ'' کے مدیراعلیٰ جناب سیّد صبیح الدین رحمانی سے میری ملاقات ہوئی اور مجلّہ ''نعت رنگ'' کے ضخیم و حسین دس شمارے، ان کی عنایت سے مجھے ہم دست ہوئے۔ ان کے مطالعے سے نعت رسول اکرم ﷺ کے بہت سے گوشے جو میرے لیے ناکشودہ تھے، کھلے اور اس مبارک صنفِ سخن سے مجھے آگہی ہوئی۔

عدو شرے برانگیزد کہ خیر مادراں باشد

سرسری نگاہ سے دیکھنے ہی سے یہ معلوم ہوا کہ نعت رنگ کا ہر شمارہ معانی کا گنجینہ اور مطالب کا خزینہ ہے۔ مدیر نعت رنگ کو اردو کے متعدد ایسے قلم کاروں کا تعاون حاصل ہے جن کی تحریریں بھارت اور پاکستان میں بڑے شوق سے پڑھی جاتی ہیں اور انھیں درجۂ استناد حاصل ہے۔ ان اکابر کے دوش بہ دوش بہت سے اصاغر بھی، نعت رنگ کے صاحبانِ قلم میں شریک ہیں، جنھوں نے اپنے علم اور مشق سے نہایت وقیع مقالے لکھے ہیں۔ یوں ہماری نسل کے فضلا کے پہلو بہ پہلو نئی نسل کے مستعد و ذہین اشخاص کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا ''نعت رنگ'' کی وساطت سے مجھے پتا لگا۔ میں ''نعت رنگ'' کے بعض شماروں کی مدد سے چند اربابِ کمال کی قلمی کاوشوں کا نہایت اختصار سے ذکر کروں گا۔ جن فاضل دوستوں اور جواں سال حضرات کا ذکر میری اس تحریر میں نہ آئے گا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں ان کے علم و فضل کا معترف نہیں ہوں، بلکہ اس کا واحد سبب یہ ہوگا کہ میں اجمال سے کام لے جا رہا ہوں اور تفصیل، عدیم الفرصتی کے باعث میرے لیے ممکن نہیں ہے۔

پروفیسر سیّد محمد ابوالخیر کشفی صاحب سے میری ملاقات کی مدت بڑی طویل ہے۔ کراچی یونی ورسٹی سے کشفی صاحب اور میں ریٹائرمنٹ تک وابستہ رہے ہیں اور یہ تعلق تین دہائیوں سے زیادہ مدت پر محیط ہے۔ میں جناب کشفی کی خوب صورت نثر کا ہمیشہ معترف رہا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں سادگی اور پرکاری کا ہنر نمایاں

ہے اور ان کی ذہانت اس پر مستزاد۔ نعت رنگ کے مطالعے سے یہ راز کھلا کہ وہ شاعر بھی ہیں اور دل کشی، دل آویزی، دل نشینی جو ان کی نثر کا جوہر ہیں، ان کی نظم میں بھی جلوہ فگن ہیں۔ ان کے نعتیہ اشعار میں جو دل ربائی و دل دوزی ہے، اس کی ایک مثال دیکھیے:

میری پلکوں کا گہر آپ ﷺ سے وابستہ ہے　　میرا ہر تارِ نظر آپ ﷺ سے وابستہ ہے
بہ زر و مالِ جہاں میرا حوالہ ہی نہیں　　میرا اندازِ نظر آپ ﷺ سے وابستہ ہے
کارِ امروز ہو یا کارِ قیامت آقا ﷺ　　آج کی،کل کی، خبرآپ ﷺ سے وابستہ ہے

کشفی صاحب نے عربی اشعار کے ترجمے بھی کیے ہیں، اسی طرح امام بوصیری کے قصیدۂ بردہ کا انھوں نے آزاد نظم کی ہیئت میں ترجمہ بھی کیا ہے اور سچ یہ ہے کہ انھوں نے بوصیری کے قصیدے کی روح اردو نظم میں کشید کرکے رکھ دی ہے۔ مجھے ان کی عربی دانی پر مسرت ہوئی۔ ان کی نعتوں کا مجموعہ ''نسبت'' کے عنوان سے شائع ہوگیا ہے۔ ''نعت رنگ'' میں پروفیسر کشفی کے نثری مضامین بڑے وقیع ہیں، خصوصاً ان کا مقالہ بہ عنوان ''نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم'' واقعی معانی کا خزینہ ہے اور بیان کا طلسم ناکشودہ۔ بہرکیف پروفیسر کشفی کی نثری کاوشیں، ''نعت رنگ'' کے امتیازات میں محسوب ہوتی ہیں۔ ان مضامین کا مجموعہ بھی شائع و ذائع ہوگیا ہے۔

نعت رنگ کے ایک فاضل مقالہ نگار پروفیسر شفقت رضوی نے شمارہ دہم میں ایک طویل مقالہ بہ عنوان ''اردو نعت پر تاریخی، تحقیقی اور تنقیدی کتب (تعارف و تجزیہ)'' تحریر کیا ہے۔ یہ مقالہ ایک سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور موضوع زیر بحث پر لکھی گئی، آٹھ کتابوں کا فاضلانہ تجزیہ ہے۔ پروفیسر رضوی نے بہ دلائل ثابت کیا ہے کہ اردو نعتیہ شاعری پر لکھی جانے والی کتابوں میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتاب ''اردو کی نعتیہ شاعری' کو شرف تقدم حاصل نہیں ہے۔ ان سے پہلے اس موضوع پر اوّل پروفیسر ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاق کی کتاب ''اردو میں نعتیہ شاعری'' ہے اور دوم ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ کی کتاب ''اردو کی نعتیہ شاعری'' ہے۔ تقدم زمانی کے لحاظ سے پروفیسر ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتاب ''اردو کی نعتیہ شاعری'' تیسرے درجے پر آتی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے اپنا مقالہ (اردو میں نعتیہ شاعری) ۱۹۵۳ء میں مکمل کرکے ناگ پور یونی ورسٹی (بھارت) میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے داخل کیا اور ۱۹۵۵ء میں انھیں یہ ڈگری ایوارڈ کردی گئی۔ بعض وجوہ سے کتاب کی

اشاعت میں تاخیر ہوئی اور یہ کراچی سے ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی۔ پروفیسر رضوی نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ڈاکٹر اشفاق کی کتاب نہ صرف تقدم زمانی رکھتی ہے، بلکہ موضوع کی مناسبت سے زیرتبصرہ کتابوں سے بھرپور، مدلل، مرتب اور مبسوط بھی ہے۔ یوں اسے شرف اوّلیت اور اولویت دونوں ہی حاصل ہیں۔

جناب شفقت رضوی نے اشفاق صاحب کی کتاب کا ۱۹۹۰ء میں شائع ہونے ولی ڈاکٹر ریاض مجید کی کتاب ''اردو میں نعت گوئی'' سے موازنہ کرکے موخر الذکر کی کتاب کو، ہر چند کہ وہ مقدم الذکر کتاب کی اساس پر قائم ہے، اوّل الذکر کتاب پر تکمیل و توسیع کے اعتبار سے ترجیح دی ہے اور ڈاکٹر ریاض مجید کی کتاب کو افضل و اولیٰ قرار دیا ہے۔ میں نے دونوں فضلا کی کتابیں بالاستیعات پڑھی ہیں اور رضوی صاحب سے اتفاق کرنا میرے لیے سخت دشوار ہے۔ اس بات کا ڈاکٹر ریاض مجید کو اعتراف ہے کہ ''ڈاکٹر اشفاق کی کتاب کی موجودگی نے مواد کی فراہمی کے ساتھ ساتھ فکر و خیال کے نئے نئے گوشے سجھائے، خصوصاً قدیم دکھنی مخطوطات و تصانیف کے بیش تر حوالے ڈاکٹر اشفاق صاحب کے مقالے سے ماخوذ ہیں (صفحہ ن)۔'' اسی طرح ڈاکٹر ریاض مجید کے مقالے کی بنیادی ساخت وہی ہے جو ڈاکٹر اشفاق نے اپنے مقالے کے لیے اپنائی تھی۔ ڈاکٹر ریاض کے ہاں جو اضافہ ہے وہ اس لیے ہے کہ دونوں کے زمانۂ تحریر و تکمیل میں بعد زمانی اور چالیس پچاس سال کی زمانی مسافت ہے، کیوں کہ ڈاکٹر اشفاق کا مقالہ جوہری اعتبار سے تقسیم ملک کے ساتھ مکمل ہوگیا اور ڈاکٹر ریاض نے اسے ۱۹۸۰ء تک پھیلادیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے ہاں جو ضمائم ہیں وہ معلومات مزید کی حیثیت رکھتے ہیں اور چنداں اہم نہیں ہیں۔ مثلاً اسمائے رسول مقبول ﷺ، شروح قصیدۂ بردہ، میلاد نامے اور نعتیہ ریکارڈ اور فلمی طرزوں پر لکھی گئی نعتوں کا جائزہ۔ دراصل ڈاکٹر ریاض مجید کی کتاب ''ڈاکٹر اشفاق کی کتاب کا ذیل'' اور ''تکملہ'' ہے اور ایک مصنف کے لیے یہ بھی شرف و فضیلت کی بات ہے۔

نعت رنگ کے شماروں کے مطالعے سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ اردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں لکھی گئی نعتوں پر علمی سطح کی سیر حاصل بحثیں بھی اس کے مشتملات میں موجود ہیں۔ عربی زبان میں لکھی گئی نعتوں میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قابل وثوق روایات کی رو سے سب سے اوّل بھرپور انداز میں نعتیہ قصائد کہے ہیں۔ ''نعت رنگ''

D: Sabhi\NaatRang-14
File:Makala12
Final

میں ان کی نعت گوئی پر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ عربی کے ایک استاد ڈاکٹر طارق جمیل فلاحی نے ایک طویل مقالہ تحریر کیا ہے۔ شعبۂ عربی کے ان فاضل پروفیسر کے مقالے کو بڑی توجہ سے پڑھنے سے یہ پتا چلا کہ عربی زبان سے موصوف کو کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ انھوں نے عربی اشعار کے اردو ترجمے بیش تر غلط کیے ہیں۔ یہاں ان کے تراجم پر بالاستیعاب بحث کرنا ممکن نہیں ہے، صرف مثالیں ہی دی جاسکتی ہیں۔ حضرت حسانؓ کا شعر ہے:

ونشربها فتترکنا ملوکا

واسداً ما ینهنهنا اللقاء

ڈاکٹر صاحب نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے۔ ''ہم اسی سبب سے پیتے ہیں، چناں چہ ہم نے ملوک اور اسد کو چھوڑ دیا جو جنگ کے وقت پکڑے رکھتے ہیں۔''

جو فضلا عربی زبان سے واقف ہیں، وہ مندرجہ بالا ترجمے کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ جائیں گے۔ صحیح ترجمہ یوں ہوگا: ''ہم شراب پیتے ہیں جو ہمیں بادشاہ (ملوک، واحد ملک) اور شیر (اُسُد واحد اَسَد) بنا کر چھوڑتی ہے۔ سو ہمیں (کفار، قریش سے) جنگ نہیں روکتی (یعنی ہم شراب پی کر بادشاہوں اور شیروں کی طرح بہادر و جنگ آزمودہ ہوجاتے ہیں اور ہم کفارِ قریش سے نبرد آمائی سے نہیں رکتے) یہ قصیدہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ سے ذرا پہلے کہا تھا۔ یہ ابن ہشام کی روایت ہے جب کہ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق یہ قصیدہ فتح مکہ کے بعد کہا گیا (البدایہ والنہایہ، لابن کثیر دمشقی جزء رابع، صفحات ۳۱۰ و ۳۱۱)۔ ڈاکٹر طارق جمیل صاحب نے نعت رنگ نمبر۱۱ کے صفحہ ۱۷۱ پر مندرجہ بالا شعر کو حضرت حسانؓ کے زمانۂ جاہلیہ میں کہے گئے اشعار میں محسوب کیا ہے مگر صرف تین صفحات کے بعد اس قصیدے کو فتح مکہ سے کچھ پہلے کہا گیا، بیان کیا ہے۔ اس کا مطلع ہے:

عفت ذات الا صابع والجواء

الی عذراء منزلها خلاء

شعر زیرِ حوالہ اسی قصیدے کا نواں شعر ہے۔ ایک ہی مقالے میں پہلے (ص ۱۷۱) پر ایک روایت اور بعد ازاں (ص۱۷۴) پر اس کے برخلاف روایت کا بلاکسی تردید کے درج کیا جانا، جہاں مقالہ نگار کی بے خبری کی دلیل ہے، وہیں قاری کے لیے حیرت کا سبب ہے۔ ''نعت رنگ'' کے اس شمارے میں علی گڑھ ہی کے ایک اور فاضل پروفیسر ڈاکٹر

ابوسفیان اصلاحی کا مقالہ ہے جس کا عنوان ہے، ''شوقی اور ان کا نعتیہ قصیدہ، الهمزیۃ النبویۃ۔''
مقالہ نگار نے مشہور مصری شاعر شوقی بک (۱۸۶۸ء تا ۱۹۳۲ء) کے زیرِ عنوان قصیدے پر بڑی
تفصیل سے اظہارِ خیال کیا ہے۔ انھوں نے اس مقالے کے لکھنے کا یہ مقصد بتایا ہے:

''اصلاً شوقی کے مشہور قصیدے ''الهمزیۃ النبویۃ'' کا اردو ترجمہ قارئین کے سامنے
پیش کرنا ہے۔'' (''نعت رنگ'' نمبر۱۱ ص۲۲۱)

اصلاحی صاحب، معلوم ہوتا ہے کہ شوقی کے اس قصیدے کو اردو قارئین کے لیے
کوئی اجنبی چیز سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ اردو خواں اہل علم اس سے بیسیوں سال
سے زیادہ عرصے سے نہ صرف واقف ہیں بلکہ بہ خوبی واقف ہیں۔ ان کی اطلاع کے لیے
عرض ہے کہ آج سے کوئی تینتیس (۳۳) سال پہلے ۱۳۸۹ھ میں قاری فیوض الرحمٰن صاحب
نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا اور یہ قصیدہ اردو ترجمے کے ساتھ المکتبۃ العلمیہ'' لاہور سے شائع
ہوا۔ اسی طرح عبدالرحمٰن طاہر سورتی صاحب نے ایک مقالہ بہ عنوان ''احمد شوقی اور ان کی
نعتیہ شاعری'' لکھا جو ماہ نامہ ''اوقاف'' اسلام آباد کے جولائی ۱۹۷۸ء کے شمارے میں چھپا۔
یوں اصلاحی صاحب کا مضمون تحصیل حاصل سے زیادہ نہیں۔ بہرکیف ان کی کوشش بھی غنیمت
ہے اور اردو خواں قارئین کے لیے اس کی حیثیت تعارف مزید کی ہے۔ اصلاحی صاحب نے
قصیدے کا اردو ترجمہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ احمد شوقی بک کے اس قصیدے کو پڑھتے
وقت اگر:

> علامہ اقبال کا آخری مجموعۂ کلام ''ارمغانِ حجاز'' اور ''بالِ جبریل'' کی نظم
> ''ذوق و شوق'' سامنے ہو تو دونوں میں کافی حد تک فکری مماثلت نظر
> آئے گی اور ایسا محسوس ہوگا کہ دونوں کے جذبات میں کسی قدر قربت
> ہے اور دونوں اپنی قوم کے باب میں یکساں طور پر متفکر ہیں۔
> (''نعت رنگ'' نمبر۱۱، ص۲۴)

میں حیران ہوں کہ اصلاحی صاحب کو شوقیؔ اور اقبالؔ میں کون سی ''فکری مماثلت''
نظر آئی۔ اگر مسلمانوں کی زبوں حالی پر دونوں ''متفکر'' ہیں تو اس فکرمندی میں تمام امت
مسلمہ شریک ہے کسی ایک کی تخصیص نہیں ہے۔ اقبالؔ ''مفکر'' ہیں، جب کہ قصیدۂ ہمزیہ کی حد
تک، کم از کم شوقیؔ کے ہاں کوئی فکر نہیں۔ ہاں وہ ''متفکر'' ہوسکتے ہیں۔ شوقیؔ کا زیرِ بحث

D: Sabhi\NaatRang-14
File:Makala12
Final

قصیدہ امام بوصیری کے قصیدۂ بردہ کے منہج پر ہے اور اس کی صدائے بازگشت معلوم ہوتا ہے۔ قصیدہ کے آخری چند اشعار امت اسلامیہ کی بدحالی و بربادی پر دعا اور استغاثے کے بہ طور ہیں اور ہم انھیں زیادہ سے زیادہ مولانا حالی کی اس مناجات کے قبیل کی چیز کہہ سکتے ہیں جو ان کی مسدس کے آخر میں ہے اور بارگاہِ خیرالمرسلین ﷺ میں اُمت مسلمہ کا استغاثہ ہے۔ اس کا یہ مطلع بہت مشہور ہے:

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقت دعا ہے
اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

ہم قارئین کرام سے عرض کریں گے کہ وہ شوقیؔ کے قصیدۂ ہمزیہ کا ترجمہ پڑھ لیں، ہمیں یقین ہے کہ انھیں اقبالؔ کی ''بالِ جبریل'' کی نظم، ''ذوق وشوق'' ہرگز یاد نہ ائے گی۔

چہ نسبت خاک را باعالم پاک

''نعت رنگ'' کے مطالعے سے اس کی ایک خصوصیت یہ بھی معلوم ہوئی کہ اس میں دوسری زبانوں کی نعتوں کے منظوم اردو ترجمے بھی شائع ہوتے ہیں، مثلاً مراٹھی زبان میں کہی گئی نعتوں کے تراجم یا پاکستانی مقامی زبانوں سندھی، براہوی، بلوچی، پوٹوہاری اور ہندکو کے منظوم اردو ترجمے ''نعت رنگ'' کے شماروں میں موجود ہیں۔ یہ ایک مستحسن کوشش ہے اور اسے جاری رہنا چاہیے۔ اس سے نعت رسولِ مقبول ﷺ کی آفاقیت کا پتا چلتا ہے۔ اسی طرح فارسی نعتوں کے اردو منظوم ترجمے نظر سے گزرے۔ مگر حضرت مظہر جانِ جاناںؒ کی یا جگر مراد آبادیؒ کی فارسی نعتوں کے تراجم، محض تحصیل حاصل ہیں، کیوں کہ اردو کا قاری انھیں اچھی طرح سمجھتا ہے اور ان کی خوبیوں سے اس کی فہم آشنا ہے۔ ہاں مرزا غالبؔ کی فارسی نعتوں تک ایسے قارئین کی ذہنی رسائی شاید آسان نہ ہو۔

نعت گوئی بڑا مشکل فن ہے، اس کی مشکلات چند در چند ہیں۔ یہ ایسی وادی ہے جو پتھریلی اونچی نیچی راہوں اور خاردار جھاڑیوں سے بھری ہوئی ہے۔ نعت گو اس سنگستانی اور پرخار راہ سے بڑی احتیاط اور حواس کی بیداری کے ساتھ ہی گزر کر منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی بھی اس کے تخیل کو تار تار اور فکر کو داغ دار کر دیتی ہے۔

عرفیؔ مشتاب، ایں رہِ نعت است نہ صحرا ست
آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ است، قدم☆ را

''نعت رنگ'' کے مطالعہ سے ایک خوش گوار حیرت ہوئی کہ اس کے جواں سال اور جواں ہمت مدیر سیّد صبیح رحمانی کو نعت کی راہ کی ان مشکلات کا بہ خوبی ادراک ہے اور اس میں مشکلاتِ نعت، آدابِ نعت و ممنوعاتِ نعت سے متعلق اچھی خاصی تعداد میں مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس حوالے سے میں جن مقالات کا حوالہ دوں گا، ان میں جناب عزیز احسن کا مقالہ ''نعت نبی میں زبان و بیان کی بے احتیاطیاں'' (''نعت رنگ'' نمبر۱) پروفیسر اقبال جاوید کا مقالہ ''نعت کہیے مگر احتیاط کے ساتھ'' (''نعت رنگ'' نمبر۴) اور جناب رشید وارثی کا مضمون ''اردو نعت میں آدابِ رسالت کے منافی اظہار کی مثالیں'' (''نعت رنگ'' نمبر۱۰) اور ''نعت کے موضوعات'' از ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط (''نعت رنگ'' نمبر۵) اہم ہیں۔ معاصر نعت نگاروں کو ان مقالات کا بڑی توجہ سے مطالعہ کرنا چاہیے۔

نعت نگاری کے ساتھ، نعت خوانی کے اپنے آداب و لوازمات ہیں۔ ہمارے ہاں نعتیہ محافل برپا کرنے والوں، نعت سرائی کرنے والوں اور سامعین کی بے احتیاطی، ان مقدس محفلوں کی پاکیزگی کو داغ دار بنا دیتی ہے۔ پروفیسر افضال انوار نے اپنے مقالہ ''نعت خوانی کے آداب اور اصلاحِ احوال'' میں نعت خوانوں کی بے احتیاطی، حرص و بے ادبی کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اصلاحِ احوال کے لیے تجاویز پیش کی ہیں۔ یہ مقالہ ''نعت رنگ'' کے شمارہ نمبر۳ میں شائع ہوا۔ شمارہ نمبر۵ میں جناب رشید وارثی صاحب نے اس کی بجا تعقیب کی ہے۔

''نعت رنگ'' میں معروف و اساتذۂ فن شعرا کی شاعری اور شخصیت پر بھی مضامین تحریر کیے گئے ہیں، مثلاً حضرت مولانا احمد رضا خاں اور مولوی محسن کاکوروی پر ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کا مقالہ در ''نعت رنگ'' شمارہ نمبر۳، مولانا ظفر علی خاں کی نعتیہ شاعری پر ڈاکٹر شبیہ الحسن کا مضمون در ''نعت رنگ'' نمبر۶، پروفیسر شفقت رضوی کا مقالہ بر نعت گوئی مولانا حسرت موہانی (''نعت رنگ'' نمبر۸) اور پروفیسر محمد اقبال جاوید کا بیدمؔ شاہ وارثی پر ''نعت رنگ'' نمبر۱۱ میں مضمون۔ بیدمؔ شاہ وارثی نعت کے بڑے صوفی شاعر تھے، ان کے حالاتِ زندگی پر بہت کم مواد ملتا ہے اگر پروفیسر محمد اقبال جاوید، اس طرف توجہ فرمائیں، تو یہ ایک بڑا علمی کام ہوگا اور بیدمؔ مرحوم کی تحسین واقعی بھی ہوگی۔

D: Sabhi\NaatRang-14
File:Makala12
Final

معاصر نعت نگاروں کے کوائف شخصی پر بھی بعض اچھے مضامین نعت رنگ میں

پڑھنے کو ملے۔ ان میں محمد اعظم چشتی پر پروفیسر حفیظ تائب (شمارہ نمبر۳)، پروفیسر حفیظ تائب پر جناب اسلوب احمد انصاری (شمارہ نمبر۹)، ڈاکٹر جمیل راٹھوی کا مقالہ بر بیکل اتساہی (شمارہ نمبر۱۰)، صبیح رحمانی پر جناب عزیز احسن کا مقالہ (شمارہ ۶) بہت عمدہ ہیں اور ان کے قلم کار لائق تحسین ہیں۔ شعریٰ صاحبہ کے علمی کوائف اور فکری سفر کے بارے میں ''نعت رنگ'' کا قاری ''ہل من مزید'' کا تقاضا کرتا ہے۔ ہمیں مدیر ''نعت رنگ'' سے بجا طور پر یہ توقع ہے کہ وہ شعریٰ صاحبہ کے فن و فکر سے متعلق مزید معلومات فراہم کریں گے۔

نعت رنگ میں نعت کے گم نام یا نسبتاً کم نام حضرات میں حافظ منیر الدین سندیلوی کو جناب سلیم فاروقی (نمبر۳) نے، سیّد حمید الدین رعنا کو ڈاکٹر یونس حسنی (نمبر۶) نے اور حسرت حسین حسرت کو پروفیسر حفیظ تائب نے (نمبر۴) متعارف کرایا ہے۔ جناب حسرت کے بارے میں پروفیسر حفیظ تائب کا یہ بیان محل نظر ہے کہ ''حضرت سبز پوش کے والد بزرگوار حضرت آسی گورکھ پوری صاحب دیوان شاعر تھے اور ان کا مجموعہ غزلیات ''عین المعارف'' کے نام سے چھپا ہے۔(صفحہ ۲۲۷)۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم آسی غازی پوری جناب سیّد شاہد علی سبز پوش گورکھ پوری کے پیر تھے، ان سے کوئی رشتے داری ان کی نہ تھی۔ مولانا آسی مرحوم کا دیوان عین المعارف کراچی سے بھی شائع ہوگیا ہے جس میں جناب مجنوں گورکھ پوری اور شاہد علی سبز پوش کے مضامین بھی شامل ہیں۔ مولانا آسی غازی پوری عہد آخریں کے مشہور صوفی شاعر اور متبحر عالم دین تھے۔ انھیں کے ایک شعر پر جو عالم سکر میں سرزد ہوا تھا، کوئی اسّی برس سے بریلوی و دیوبندی علما برسر مناظرہ ہیں۔ نعت رنگ میں بھی اس کی صدائے بازگشت سنی گئی ہے۔ (حاشیہ نمبرا دیکھئے) وہ شعر یہ ہے:

وہی جو مستویِ عرش ہے خدا ہوکر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہوکر

حضرت آسی کا ایک اور شعر بھی سنیے:

نہ میرے دل، نہ جگر پر، نہ دیدۂ تر پر
کرم کرے وہ نشانِ قدم، تو پتھر پر

''نعت رنگ'' سے مختلف مقامات و سلاسل سے تعلق رکھنے والے شعرا کا بھی حال معلوم ہوتا ہے۔ ہر چند کہ ان میں اکثریت نام ور شعرا کی نہیں، مگر نعت رسول ﷺ کی

ہمہ گیری اور عہد حاضر میں نعت گوئی و نعت خوانی سے ہماری دلچسپی کا ضرور پتا چلتا ہے۔ پروفیسر شبیر احمد قادری نے فیصل آباد کا نعتیہ منظرنامہ پیش کیا ہے۔ (شمارہ نمبر۳) شعرائے میرٹھ کی نعت نگاری پر جناب نور احمد میرٹھی نے ایک سیر حاصل مضمون تحریر کیا ہے۔ (''نعت رنگ'' نمبر۶) جناب شاکر کنڈال نے جلال پور جٹاں کے شعرا پر مقالہ لکھا ہے۔ (نمبر۸) اور جناب محمد صادق قصوری نے ''سلسلۂ جماعتیہ'' سے وابستہ نعت گو شعرا کا تذکرہ تحریر کیا ہے۔ (شمارہ نمبر۶)

غیر مسلم شعرا کی نعت نگاری کا مختلف مقالہ نگاروں نے ذکر کیا ہے اور ان کی نعتوں کو بھی ''نعت رنگ'' کی زینت بنایا ہے۔ جناب نور احمد میرٹھی نے شمارہ نمبر۴ میں غیر مسلموں کی نعت پر مقالہ لکھا ہے۔ اسی طرح بعض قدیم ہندو نعت نگاروں کی نعتیہ غزلیں بھی شامل کی گئی ہیں۔

ان تمام محاسن کے ساتھ ساتھ ''نعت رنگ'' میں مسلکی اختلافات کی سرخی بھی پھیلی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً شمارہ نمبر۱۱ میں جناب ظہیر غازی پوری کا مضمون ''نعتیہ شاعری کے لوازمات'' دراصل عظیم عالم اور نعتیہ شاعری کے سرخیل حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری اور ان کے مسلک پر معاندانہ تحریر ہے۔ مولانا مرحوم پر جناب ظہیر غازی پوری کی خوردہ گیری، علمی خیرہ سری اور بے ادبی ہے۔ ان کی تحریر کا جواب ڈاکٹر صابر سنبھلی نے شمارہ نمبر۱۲ میں دیا ہے۔ یہ دونوں حضرات بھارت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا مسلکی اختلافات میں الجھنا قابل افسوس ہے، بہرکیف ڈاکٹر صابر نے بڑا مسکت جواب دیا ہے۔ مولانا کوکب نورانی نے جو کراچی کے ایک فاضل نوجوان ہیں، ظہیر صاحب کی سخت تعقیب کی ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔ جناب صبیح رحمانی سے میری گزارش ہے کہ ''نعت رنگ'' کو مسلکی اختلافات سے دور ہی رکھیں۔

اس تمام درازنفسی کا محرک یہ ہے کہ اگرچہ ہر دور میں پیغامِ محمدی (ﷺ) کی تبلیغ و تعیم اُمت مسلمہ کی اہم ذمہ داری رہی ہے، لیکن مادّی ترفہ و برفائی کے باوجود روحانی درماندگی و نامرادی کے اس عصرِ حاضر میں اس فریضے کی بجا آوری نہایت ضروری ہے اور چوں کہ نعتیہ شاعری اس ترسیل و تعیم کا بغایت مؤثر ذریعہ ہے، اس لیے اس مبارک عمل سے وابستہ حضرات لائق تحسین و مستحق تبریک ہیں۔ چناں چہ یہ چند سطور ان حضرات کے عمل مستحسن کے لیے بہ طور سپاس گزاری تحریر کی گئی ہیں۔ اخیر میں نعت نگاری سے تعلق رکھنے والے

حضرات سے ایک مخلصانہ گزارش ہے کہ وہ مقدار کے بجائے معیار پر زیادہ توجہ دیں۔ آج یہ کیفیت ہے کہ ہر نعت نگار پندرہ بیس مجموعوں کا مالک ہے بلکہ بعض حضرات تو ۳۵ مجموعہ ہائے نعت کے مصنف ہیں۔ ہر نعت نگار شفیق فاطمہ شعریٰ، ابوالخیر کشفی، حفیظ تائب یا ریاض حسین چودھری نہیں ہوسکتا، معیار کے بغیر مقدار جنس کاسد اور فکر فاسد ہے۔ اس لیے نعت نگاروں کو اس کی جانب توجہ دینی چاہیے۔

حاشیہ

☆۔ "نعت رنگ" نمبر ۱۱ میں جناب ظہیر غازی پوری کا مضمون دیکھئے، یہ شعر بلکہ وہ غزل جس کا یہ مطلع ہے، فلسفہ وحدت الوجود کی توضیح ہے پتا نہیں یہ کیسے مدرسے کے مدرسین کے ہاں پہنچ گئی۔

حفیظ تائب (لاہور)

دیر جتنی اشکِ خوں سے آنکھ تر ہونے میں ہے
اُس سے کم طیبہ کی سمت اذنِ سفر ہونے میں ہے

کر لیا ہے جب درودی رتجگے کا اہتمام
دیر پھر کیسی شبِ غم کی سحر ہونے میں ہے

دھیان رہتا ہے تو صبح و شام رحمت کی طرف
لذت و راحت عجب بے بال و پر ہونے میں ہے

تپتے صحرا میں ہو میری جاں کو حاصل کس طرح
نم جو درکار اس شجر کے بارور ہونے میں ہے

جانے کیا احوالِ اُمت کے بدلنے میں ہے دیر
جانے کیا حائل دُعا کے پراثر ہونے میں ہے

کب بہار آئے گی تائبؔ آرزو کے دشت میں
کیا خبر کیا دیر رحمت کی نظر ہونے میں ہے

D:Sabhi\NaatRang-1
File: Naatain
1st Proof

عاصی کرنالی (ملتان)

ہم نبی ﷺ کا آستاں دیکھا کیے
محورِ کون و مکاں دیکھا کیے

اُن کا در ہے قبلہ گاہِ اِنس و جاں
قبلہ گاہِ اِنس و جاں دیکھا کیے

ایک ہی منزل کے رُخ گرمِ سفر
کارواں در کارواں دیکھا کیے

یہ غبارِ نارسایاں تو نہیں
جنبشِ ریگِ رواں دیکھا کیے

کعبے کی ''پہلے'' زیارت ہم نے کی
ایک حیرت زا سماں دیکھا کیے

قدسیاں دیکھا کیے سب کا طواف
ہم طوافِ قدسیاں دیکھا کیے

ہم مدینے کے مسافر رشک سے
میزبانوں کے مکاں دیکھا کیے

دیکھ کر باغاتِ طیبہ کے شجر
طائروں کے آشیاں دیکھا کیے

اُس فضائے زندگی پرور میں ہم
ارتقائے جسم و جاں دیکھا کیے

وحدتِ ملّی کا منظر دیکھ کر
اپنے ہونے کا نشاں دیکھا کیے

ہم نے بڑھ کر جالیوں کو چھو لیا
بے بسی سے پاسباں دیکھا کیے

کیا سمجھتے فلسفی معراج کو
وہ کہاں تھے، یہ کہاں دیکھا کیے

ہم وہاں موہوم تھے، معدوم تھے
بس وہی وہ تھے، جہاں دیکھا کیے

اُن کے قدموں میں پڑی دیکھی زمیں
در پہ جھکتا آسماں دیکھا کیے

واپسی میں سبز گنبد کا جمال
آنسوؤں کے درمیاں دیکھا کیے

جب تلک ممکن رہا، مڑ مڑ کے ہم
حاصلِ عمرِ رواں دیکھا کیے

افتخار امام صدیقی (ممبئی، بھارت)

خدا نے قلب پر میرے محمد ﷺ نام لکھا ہے
مجھے دنیا عطا کرکے، فلک انعام لکھا ہے

دعاؤں میں وہی اول، وہی آخر دعاؤں میں
اسی کے نام کی خوش بو کو دل آرام لکھا ہے

بس اک دیدار کی خواہش، میری سانس، میں زندہ ہوں
اسی کو صبح سوچا ہے، اسی کو شام لکھا ہے

خدا کے عشق کی شدت، درود پاک کی صورت
وہ خالق ہے، مگر اس نے بھی اپنا کام لکھا ہے

مجھے اپنے گناہوں پر جہنم کی سزا ممکن
مگر ان کی شفاعت کو سفر انجام لکھا ہے

☆

D:Sabhi\NaatRang-1
File: Naatain
1st Proof

طلحہ رضوی برق (بہار، بھارت)

ہے بخششِ رب اُن کی عطا، مانگ ارے مانگ
ہیں قاسمِ نعمت بخدا، مانگ ارے مانگ

قسمت کے دھنی یہ ہے درِ شافعِ محشر
چوکھٹ پہ رگڑ ناک، دعا مانگ ارے مانگ

اِس ڈیوڑھی تک آجانا ہی معراج ہے تیری
تو رشکِ سلاطیں ہے گدا، مانگ ارے مانگ

رکھے گی نہ محروم تجھے چشمِ کرم سے
شرمندگیٔ جرم و خطا، مانگ ارے مانگ

صدقہ ملے کچھ خونِ شہیدانِ وفا کا
اشکوں میں بھی ہو رنگِ حنا، مانگ ارے مانگ

سرکار نے فرمایا جنھیں لحمک لحمی
دے واسطۂ آلِ عبا، مانگ ارے مانگ

ہے صدقۂ حسنین کا باڑا یہیں بٹتا
گم سم یوں ہی کیوں چپ ہے کھڑا، مانگ ارے مانگ

سر تا پا گناہوں کے بہت داغ لگے ہیں
ڈھنک لے تجھے رحمت کی رِدا، مانگ ارے مانگ

بیمارِ معاصی تری مٹی ہو سوارت
ہے خاکِ مدینہ میں شفا، مانگ ارے مانگ

لایا ہے نصیب آج یہاں سب کی دعا سے
سب کے لیے تو بھی یہ دعا مانگ ارے مانگ

پیوندِ زمیں کاش مدینہ میں ہو طلحہ
آجائے یہیں اس کی قضا مانگ ارے مانگ

سیّد افتخار حیدر (ٹورانٹو، کینیڈا)

ہر قدم آپ ﷺ کی رحمت کے ملے ہم کو سراغ
زیست نے آپ ﷺ کو دیکھا سدا محوِ ابلاغ
لبِ گلریز کے مہکے ہوئے فرمانوں سے
آج تک خلقتِ عالم کے معطر ہیں دماغ
آپ ﷺ کے ایک تبسم سے ملا حسن کو نور
آپ ﷺ کے در سے پیئے عشق نے رحمت کے ایاغ
ایسے پُرنور ہوئے دہر میں کس شے کے نقوش
کس کے چہرے کے اُجالے رہے ایسے بے داغ
آپ ﷺ کے بچوں کے پھینکے ہوئے ٹکڑے چنتا
میں جو ہوتا کبھی سرکار ﷺ کے آنگن میں زاغ
آپ ﷺ کے خون سے صحراؤں میں گلشن مہکے
چارسو پھیل گئے سیرتِ صد رنگ کے باغ
جب بھی طاغوتی ہواؤں کے تھپیڑے لپکے
ہنس دیے آپ ﷺ کے ایوانوں کے پُرنور چراغ
کیا رکھوں اب بھی میں اُمیدِ شفاعت آقا!
دامنِ دل مرا عصیاں سے ہوا داغ ہی داغ

آپ ﷺ کی آل کی نسبت سے ہے سائل حیدؔر
خوفِ محشر سے عطا کیجیے عاصی کو فراغ

D:Sabhi\NaatRang-1
File: Naatain
1st Proof

محمد علی اثرؔ (حیدرآباد، بھارت)

خدا کے نور سے ہیں سیّد الوریٰ روشن
ازل سے تا بہ ابد اُن ﷺ کا سلسلہ روشن
خدا کی حمد کے اور نعت مصطفیٰ ﷺ کے چراغ
ہیں میرے دل میں بہ احسانِ کبریا روشن
جہاں جہاں بھی زمانے نے سر جھکایا ہے
وہاں وہاں ہے محمد ﷺ کا نقشِ پا روشن
روش روش ہے منور جہاں جہاں جاؤں
قدم قدم پہ چراغ آپ ﷺ نے کیا روشن
ورق ورق پہ مرے دل کے نعت ہے تحریر
ہے جسم و جاں میں اُجالوں کا سلسلہ روشن
اندھیرے ختم ہوئے باطل و جہالت کے
جہاں میں جب سے ہوئی شمعِ مصطفیٰ ﷺ روشن
سمجھ ہے ایسی کہاں ہم جو آپ ﷺ کو سمجھیں
ہے آپ ﷺ کا تو خدا پر ہی مرتبہ روشن

اثر نہ آئے گا ہرگز کہیں دعا میں اثرؔ
دعا میں ہو نہ اگر اُن ﷺ کا واسطہ روشن

واصل عثمانی (امریکا)

جس کا جمال روکش شمس و قمر رہا
وہ شخص اِس جہاں میں مثالِ بشر رہا

یہ بھی انھی کی ذاتِ گرامی کا فیض ہے
جو ان کا ہو رہا وہ سدا مقتدر رہا

وہ غارِ ثور ہو کہ حرا کی سیاہ رات
تابندہ کر گیا وہ جہاں بھی جدھر رہا

برسوں رہا ہوں میں بھی دیارِ حبیب میں
دل پھر بھی کہہ رہا ہے بہت مختصر رہا

اٹالنٹا☆[1] میں یاد نبی آ رہی ہے یوں
خوشبو کا جیسے ہو کوئی جھونکا گزر رہا

معراج کی وہ رات بڑی یادگار تھی
جب منتظر کے سامنے وہ منتظر رہا

سرکار کا خیال و تصور بھی ہے ثواب
صد شکر یہ خیال مجھے عمر بھر رہا

یارب مجھے زیارتِ سرکار ہو نصیب
یہ مدعائے زیست مرا عمر بھر رہا

پڑھتا رہا درود رسالت مآب پر
بس ایک مشغلہ یہی شام و سحر رہا

سنت کی اتباع میں ہر فعل ہو مرا
ہر لحہ ہر گھڑی یہی پیش نظر رہا

پہلی نظر دیارِ مدینہ پہ جب پڑی
تادیر اپنے حال سے میں بے خبر رہا

وہ کیف وہ سکون مدینے میں جو ملا
تا عمر اس کا قلب حزیں پر اثر رہا

اللہ رے ذاتِ احمد مرسل کی رفعتیں
وہ تھے زمیں پہ ذکر مگر عرش پر رہا

ارض و سما درود پڑھیں بھی تو کیا عجب
روزِ ازل سے ذکرِ نبی عرش پر رہا

جاؤں گا پھر مدینے میں قسمت سنوارنے
ہاں چند روز زندہ سلامت اگر رہا

خوشبو☆[2] سے صحن مسجد نبوی مہک اُٹھا
اس واقعے کا دل پہ اثر عمر بھر رہا

میری بساط کیا ہے عطائے رسول ہے
روشن انھی کے نام سے یہ میرا گھر رہا

☆۱۔ ۱۲ ربیع الاوّل کو میں رات کو لیٹا چاند کی طرف نظر جمائے تھا کہ یک بارگی خیال آیا کہ امریکا، ۱۲ ربیع الاوّل اور یہ خوش گوار ماحول کیوں نہ نعت کہی جائے کہ یادگار رہے۔ بس سرکار ﷺ کی عنایات کی بارش شروع ہوگئی۔

☆۲۔ ۱۹۶۹ء میں بغرضِ حج حاضر ہوا تھا۔ عصر بعد صحن مسجد میں چند احباب کے ساتھ بیٹھا ذکرِ حبیب ہو رہا تھا کہ کئی بار ایک ایسی غیر متوقع خوشبو سے ہم سب محظوظ ہوئے کہ اس کا تاثر آج بھی محسوس کرتا رہتا ہوں۔

D:Sabhi\NaatRang-1
File: Naatain
1st Proof

جعفر بلوچ (لاہور)

اے مرے رحیم آقا ﷺ

جانِ کن فکاں تو ہے اے مرے عظیم آقا ﷺ
کس جگہ نہیں تیری رحمت عمیم آقا ﷺ
دل ہم اہلِ ایماں کے ہیں ترے حریم آقا ﷺ
اے مرے رحیم آقا ﷺ اے مرے کریم آقا ﷺ

تجھ پہ ناز کرتے ہیں انبیائے سابق بھی
اُن کا تو موید بھی ان کا تو مصدق بھی
اے مرے خلیل آقا ﷺ اے مرے کلیم آقا ﷺ
اے مرے رحیم آقا ﷺ اے مرے کریم آقا ﷺ

تو نہ جب تک آیا تھا انس و جاں بھٹکتے تھے
عرصۂ ضلالت میں کارواں بھٹکتے تھے
تو نے آ کے دکھلائی راہِ مستقیم آقا ﷺ
اے مرے رحیم آقا ﷺ اے مرے کریم آقا ﷺ

زندگی تھی خود رُسوا تجھ سے پہلے زندوں سے
جو بظاہر انساں تھے بڑھ کے تھے درندوں سے
تجھ سے پائی انساں نے فطرتِ سلیم آقا ﷺ
اے مرے رحیم آقا ﷺ اے مرے کریم آقا ﷺ

تو نے ان کو سمجھائے معنی آدمیّت کے
آدمی ہوئے تجھ سے رازداں مشیت کے
بن گئی یہ دنیا بھی جنتِ نعیم آقا ﷺ
اے مرے حلیم آقا ﷺ اے مرے کریم آقا ﷺ

جس کے ایک پرتو سے کائنات روشن ہے
یہ حیات روشن ہے وہ حیات روشن ہے
تو وہ نور پیکر ہے اے سیہ گلیم آقا ﷺ
اے مرے رحیم آقا ﷺ اے مرے کریم آقا ﷺ

چھن گئے ہیں اب ہم سے عافیت کے سپنے بھی
غیر تو ہیں غیر، اپنے اب نہیں ہیں اپنے بھی
حال تری اُمت کا ہوگیا سقیم آقا ﷺ
اے مرے رحیم آقا ﷺ اے مرے کریم آقا ﷺ

اُمتی ترے پھر سے شان دیں کے شایاں ہوں
ذی حشم زمانے میں پھر سے ہم مسلماں ہوں

حق سے یہ دُعا فرما حق کے اے ندیم آقا ﷺ
اے مرے رحیم آقا ﷺ اے مرے کریم آقا ﷺ

☆

D:Sabhi\NaatRang41
File: Naatain
1st Proof

محمد فیروز شاہ (میانوالی)

نعت کیا ہے؟

نعت کیا ہے؟ حسن کے سردار جذبے کا جمال
چشمِ عشق و اشک سے دیکھے ہوئے منظر کی آل

نعت کیا ہے؟ سنتِ پروردگارِ دوجہاں
خالق و مخلوق کے مابین ربطِ لازوال

نعت کیا ہے؟ اک تلاوت کربلائے عصر میں
ہر یزیدی جور پر غالب رہا جس کا جلال

نعت، صادق چاہتوں کے باغ کا کھلتا گلاب
حضرتِ حسانؓ بن ثابت کا گلزارِ خیال

نعت، نسبت کے سہانے نور کی صبح کا ظہور
شب کے تنہا موسموں میں گونجتی بانگِ بلالؓ

نعت، دل کی بستیوں میں عہدِ خوش حالی کا راز
اک عقیدت مند سرشاری کا شہرِ بے مثال

چارۂ بے چارگاں ہے زخم کا مرہم ہے نعت
اپنے آقا ﷺ سے عقیدت کا ہے عکسِ خوش خصال

سرزمینِ قلب میں سرسبزیوں کی فصل، نعت
سبز گنبد کے سدا شاداب موسم سے وصال

حسنِ کامل کی ازل سے تا ابد توصیف، نعت
جس کے وردِ پاک سے، فیروزؔ، کٹتے ہیں ملال

نسیم سحر (جدہ)

جتنے بھی شہر نبی میں ذرّہ ہائے خاک ہیں
سب ہمارے واسطے مانند ہفت افلاک ہیں

جتنے بھی اہلِ خرد ہیں، صاحبِ ادراک ہیں
روبرو اُمی کی دانش کے خس و خاشاک ہیں

کتنا اچھا ہو اگر مٹی وہاں کی ہو نصیب!
دفن یوں تو ہم جہاں بھی ہوں، وہیں کی خاک ہیں

اور احساس تحفظ کی ضرورت کیا ہمیں
ہم تو زیرِ سایۂ اسمِ رسولِ پاکﷺ ہیں

اس گھڑی ہم روضۂ اطہر پہ حاضر ہیں نسیمؔ
اس گھڑی ہم خود سراپا دیدۂ نمناک ہیں

رشیدہ عیاں (نیوجرسی، امریکا)

کروں آقا، چراغاں یوں ترے روضے کی جالی پر
کہ آنکھوں کے دیے رکھ دوں ترے روضے کی جالی پر

اگر بادِ حوادث ریزہ ریزہ کرکے بکھرا دے
تو بن کر خاک جم جاؤں ترے روضے کی جالی پر

یہ ہیں تار نظر کے درمیاں حائل، مگر پھر بھی
میں اشکوں کے گہر واروں ترے روضے کی جالی پر

قفس گر ٹوٹ جائے طائرِ روحِ مقید کا
اُڑوں، اور اُڑ کے جا بیٹھوں ترے روضے کی جالی پر

اگر ہر حلقۂ روزن ہو طورِ جلوہ سامانی
تو میں سر رکھ کے مر جاؤں ترے روضے کی جالی پر

ہزاروں بار گر اللہ مجھ کو خلق فرما دے
تو میں ہر بار مٹ جاؤں ترے روضے کی جالی پر

عیاںؔ مل بھی اگر جائے متاعِ قیصر و کسریٰ
تو سب قربان کر ڈالوں ترے روضے کی جالی پر

ثمر بانو ہاشمی (ملتان)

کاش ہو جائے خاکِ مدینہ		میرا دل، میری جاں، میرا جینا
گنبدِ سبز سرکارﷺ کا ہے		آرزوؤں کا میری خزینہ
سرورِ کن فکاں ہوں جہاں پر		میرا مرنا وہاں میرا جینا
اُن کے نقشِ قدم پر چلوں میں		ہو یہ میرے سفر کا قرینہ
ناخدائے حرم کے سہارے		چل رہا ہے ہمارا سفینہ
اُن کی سیرت کو اپنا لیا جب		آگیا زندگی کا قرینہ
نقشِ دل پہ ہے نام محمدﷺ		جیسے انگشتری میں نگینہ
کان لگتے ہیں اذنِ طلب پر		جب بھی آتا ہے حج کا مہینہ
پھر طوافِ حرم کو چلوں میں		آبِ زم زم ہو قسمت میں پینا
جب نظر آئی روضے کی جالی		نور سے بھر گیا میرا سینہ

اے ثمر اُنﷺ پہ صلوات پڑھنا
ہر ترقی کا ہے بس یہ زینہ

☆

D:Sabhi\NaatRang-1
File: Naatain
1st Proof

تقی عابدی (ٹورانٹو، کینیڈا)

نعت لکھنے کی ہدایت ہوگئی یہ ریاضت تو عبادت ہوگئی
یوں ہوا احساس لکھ کر نعت کو جیسے بخشش کی ضمانت ہوگئی
نعت میری اس قدر مقبول تھی ایک مصرع پر شفاعت ہوگئی
نعت لکھنے کا ارادہ جب کیا خاص مولاﷺ کی عنایت ہوگئی
رحمتِ للعالمینﷺ جب آگئے چار سو دُنیا میں رحمت ہوگئی
دعوادارانِ نبوت سے کہو "ختم آقاﷺ پر نبوت ہوگئی"
اختیارِ شوق اتنا بڑھ گیا جب بھی دل چاہا زیارت ہوگئی

ظلمتوں میں وہ نہیں رہتا تقؔی
روشنی کی جس کو عادت ہوگئی

عقیل عباس جعفری (اسلام آباد)

رکھتے ہیں صرف اتنا نشاں ہم فقیر لوگ
ذکر نبیﷺ جہاں ہے وہاں ہم فقیر لوگ

لیتے ہی اُنﷺ کا نام مقدر سنور گیا
پہنچے ہیں پھر کہاں سے کہاں ہم فقیر لوگ

ہر سانس میں ہے لفظ مدینہ بسا ہوا
رکھتے ہیں یہ اثاثہ جاں ہم فقیر لوگ

خلوت نشینی و دم غربت کے باوجود
دست عطا سے کب ہیں نہاں ہم فقیر لوگ

آقاﷺ کی رحمتوں سے برابر ہیں فیضیاب
جبریلؑ آسماں پہ، یہاں ہم فقیر لوگ

اُنﷺ کا کرم ہے اپنی گلی میں بلا لیا
ورنہ کہاں مدینہ، کہاں ہم فقیر لوگ

مانا کہ ان کے در پہ پہنچ بھی گئے عقیلؔ
کیسے کریں گے حال بیاں ہم فقیر لوگ

D:Sabhi\NaatRang-1
File: Naatain
1st Proof

سیّد قمر حیدر قمؔر (جدہ)

ترے ﷺ جمال پہ خامہ نگاہ کرتا ہے
چراغِ شام ہے، سورج کی چاہ کرتا ہے

ہر ایک حرف کی لَو کہکشاں تراشے گی
قلم حریمِ تجلّی میں راہ کرتا ہے

تری ﷺ رحیم طبیعت کو سامنے رکھ کر
زمانے والوں سے یہ دل نباہ کرتا ہے

ہزار ماؤں کی شفقت بھی ہیچ ہے اے دل
وہ ﷺ پیار کرتا ہے اور بے پناہ کرتا ہے

میں جالیوں سے لپٹ کر جو رو نہیں سکتا
تو میرا دل مرے سینے میں آہ کرتا ہے

دلِ کتاب کبھی اُس پہ وَا نہیں ہوتا
جو ایک حرف پہ بھی اِشتباہ کرتا ہے

یہ اک محبِّ نبی ﷺ کا ہے گھر، خیال رہے
اندھیرو! تم کو قمؔر اِنتباہ کرتا ہے

اطہر عباسی (جدہ)

رفاقتوں کو مدینے کی یوں شمار کیا
دل و نظر کو محبت سے اشکبار کیا

وصالِ شہرِ نبی ﷺ نے جو بے قرار کیا
سفر نگاہوں نے فوراً ہی اختیار کیا

جمالِ طیبہ کے منظر سجائے آنکھوں نے
سلام گنبدِ خضرا کو بار بار کیا

سلام اُن ﷺ پہ درود اُن ﷺ پہ رحمتیں اُن ﷺ پر
کہ جن سے مالکِ ارض و سما نے پیار کیا

ہر ایک سانس نے صلِ علیٰ کا ورد کیا
یوں جسم و جاں کو شناسائے نو بہار کیا

دُعائے نیم شبی کی قبولیت کا اثر
ہمیں مدینے کے جلووں سے ہم کنار کیا

☆

D:Sabhi\NaatRang-41
File: Naatain
1st Proof

منصور ملتانی (کراچی)

سبھی کچھ پہلے اس اعلیٰ نسب کی نذر کرنا ہے
مجھے پھر سجدۂ شکرانہ رب کی نذر کرنا ہے

پلک جھپکی تو بزمِ آرزو میں جرم ٹھہرے گی
ہر اِک منظر مجھے یادِ طرب کی نذر کرنا ہے

کہاں بس حاضری ہے اور کہاں منزل حضوری کی
تجھے اے زندگی اب اس طلب کی نذر کرنا ہے

جب آئے ساقیٔ کامل کہا رب نے ملائک سے
ہمیں کوثر انھی کے چشم و لب کی نذر کرنا ہے

ہوا جبرئیل سے فرمانِ رب سوئے حرا جاؤ
تمھیں ہر علم اس اُمی لقب کی نذر کرنا ہے

مہ کنعاں سے میری روح نے یوں معذرت کرلی
مجھے دل تو فقط ماہِ عرب کی نذر کرنا ہے

کیا منصورؔ جب سے حجرۂ اقدس کا نظارہ
مجھے ہر شعر اب اُن کے ادب کی نذر کرنا ہے

نورین طلعت عروبہ (جدہ)

عطائے رب ہے یہ الفاظ کا خزینہ بھی
ثنائے احمدِ مختار کا قرینہ بھی

بنا گئے اسے مضبوط تر زمانے میں
اگرچہ کہتے تھے عورت کو آبگینہ بھی

وہ دھو بھی دیتے ہیں کلفت کے سارے زخموں کو
نکالتے ہیں وہ منجدھار سے سفینہ بھی

کبھی کبھی مجھے محسوس ہونے لگتا ہے
ارم کا ایک تسلسل مرا مدینہ بھی

سجے ہوئے ہیں خیالوں کے بام و در اُن ﷺ سے
انھی کی فکر سے روشن کا زینہ بھی

جلا ملی ہے بصارت کو آپ ﷺ کے دم سے
حضور ﷺ دیکھیے کہتی ہے چشمِ بینا بھی

مری چمکتی ہوئی صبح کا اُجالا آپ ﷺ
ہے ذکرِ پاک ﷺ سے جگمگ ہر اک شبینہ بھی

D:Sabhi\NaatRang-41
File: Naatain
1st Proof

اوصاف احمد (جدہ)

ذکر آپ ﷺ کا
رب پاک نے
ارفع و اعلا کیا
رحمت بنا کے بھیجا سارے جہاں کی خاطر
پھر عطا کوثر کیا
آپ ﷺ ہیں صاحبِ خلقِ عظیم
رفعتِ انساں کے خبیر
آپ ﷺ کی ذاتِ پاک سے

رتبہ
بشر کا بالا ہوگیا
لقب اچھے اچھے آپ ﷺ کے
نام اچھے اچھے آپ ﷺ کے
آپ ﷺ خیرالبشر
آپ ﷺ خیرالانام
آپ ﷺ عالی نفس
آپ ﷺ عالی مقام
آپ ﷺ پر لاکھوں درود
آپ ﷺ پر لاکھوں سلام

عمران نقوی (لاہور)

خوشا نصیب کہ اب ہوں ثنا کے رستے پر
مرا چراغ جلے گا، ہوا کے رستے پر

نظر میں شہرِ نبی ﷺ کی مسافتیں اُتریں
درِ قبول کھلا ہے دعا کے رستے پر

طلوع حسن بصیرت بہار لے آیا
کسی نے پھول کھلائے حرا کے رستے پر

ہزار شکر کہ وہ نقش پا میسر ہیں
سفر مرا تھا وگرنہ فنا کے رستے پر

فرات عصر! نئی کربلا کہانی سوچ
نکل پڑا ہوں میں آلِ عبا کے رستے پر

اسی کے دم سے ہے خوشبو فضاؤں میں عمرانؔ
اسی قدم سے اُجالا صفا کے رستے پر

D:Sabhi\NaatRang-1
File: Naatain
1st Proof

صبیح رحمانی (کراچی)

اُن کا احساں ہے خدا کا شکر ہے
دل ثناخواں ہے خدا کا شکر ہے

اسوۂ خیرالبشر ہے سامنے
راہ آساں ہے خدا کا شکر ہے

دولتِ عشق نبی ﷺ سینے میں ہے
پاس ایماں ہے خدا کا شکر ہے

غم نہیں کوئی کہ اُن کا اسمِ پاک
راحتِ جاں ہے خدا کا شکر ہے

مجھ سے عاصی اور شہر نور میں
اُن کا مہماں ہے خدا کا شکر ہے

ذکر حمد و نعت سے آراستہ
محفلِ جاں ہے خدا کا شکر ہے

میرے فکر وفن کا میری زیست کا
نعت عنواں ہے خدا کا شکر ہے

اُن کے در پر حاضری کا اے صبیحؔ
پھر سے امکاں ہے خدا کا شکر ہے

صبیح رحمانی (کراچی)

میں نے اس قرینے سے نعتِ شہ رقم کی ہے
شعر بعد میں لکھا پہلے آنکھ نم کی ہے

یہ خیال رہتا ہے یہ ملال رہتا ہے
مدحتِ نبی میں نے جتنی کی ہے کم کی ہے

میرے ساتھ چلتی ہیں برکتیں درودوں کی
میرے راہ میں آئے کیا مجال غم کی ہے

اُن کو سوچتے رہنا بھی تو اک عبادت ہے
اور یہ عبادت بھی ہم نے دم بہ دم کی ہے

میں غزل سے دُور آیا جب سے یہ شعور آیا
نعت مصطفیٰ ﷺ لکھنا آبرو قلم کی ہے

اُن کو چاہنے سے میں چاہا جا رہا ہوں صبیح
بھیک میرے دامن میں اُن کے ہی کرم کی ہے

D:Sabhi\NaatRang-1
File: Naatain
1st Proof